www.urducouncil.nic.in

جولائی 2021 ، قیمت :- 10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان وادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

شاخ: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	مدیر	04
ڈاک سے	قارئین	05
مضامین		
راما گمی	محمد خلیل	06
مطالعے کی اہمیت	عبدالعزیز سہیل	08
عہد قدیم: فلسفہ اور مذہبی پس منظر	اسامہ عطاء اللہ	10
آن لائن تعلیم اور اس کے اثرات	محمد شیخ	13
بچوں کے بڑے ادیب		
عبد میاں بہلول اور دادی کی نظمیں	گل آرا بیگ	15
نظمیں		
شعر حمد	شکیل سہسرامی	18
چھوٹا بابا	پروفیسر چوہدری	18
ریل پل ہاتھ سے کتاب کو ملانے	محمود عمل	19
گرمی	ڈاکٹر سید	20
ابر	شمیم اختر	20
کھیل دال چینے آم	عبدالناصر	21
چلو اسکول چلتے ہیں	شکیل حنیف	22
عالمی یوم انسانی خلائی سفر	محمد عبدالوہاب	23
ڈراما		
ننھی سی بڑی	اظہر قیصر	24
کہانیاں		
ملا نصرالدین کی کہانیاں	محمد خلیل الدین	27
سونے کا تاج کی کہانی	سلیم خان	29
دھوکا	انیس رشید خان	32
گلی رانی	سید محی الدین ہاشمی	38
سیاہ دھبہ	ایڈوکیٹ محمد حبیب اللہ چوہدری	42
ہاتھی کی تحویل	عبدالمجید جاسر	44
معصوم کنگول	ارم نعیم	46
چوہراٹ	شہلا کوثر	49
جدید تاریخ کا ایک مطالعہ		
پہاڑی / خاندانی خان	ڈی ایم	51
سائنس نامہ		
ہومی جہانگیر بھابھا	احمد حسین	53
زبان شناسی		
اردو میں مستعمل عربی اسما کی جمع	سید جاوید حسن	55
جنرل نالج		
معلومات عامہ		56
سچے واقعات		
رمضان کا رتبہ	رفیع الدین ناصر	57
کھیل کود		
بچوں کے کھیل		60
ذہنی آزمائش		
آؤ رنگ بھریں		62

بچوں کی دنیا

جلد: 9 شمارہ: 07 جولائی 2021

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپیہ، سالانہ/100 روپیہ

• اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

بچوں کی دنیا کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے دیے گئے رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 محلہ اولڈ حویلی روڈ، جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 6-1-1، بنگلہ حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

بچو! آپ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ کورونا کی وبا گزشتہ ڈیڑھ سال سے دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کروڑوں لوگ اس کی زد میں آکر صحت یاب ہو گئے ہیں اور لاکھوں فوت بھی ہو چکے ہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ گزشتہ سال کورونا کی پہلی لہر آئی تھی اور اس سال دوسری لہر۔ دوسری لہر پہلی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ اسی اثنا میں ماہرین نے تیسری لہر کے آنے کی بات کہی ہے۔ پہلی لہر میں بوڑھے لوگ زیادہ متاثر ہوئے تھے، مگر دوسری لہر نے جوانوں میں بھی خوب تباہی مچائی، اب تیسری لہر میں بچوں کے زیادہ متاثر ہونے کی بات کہی جا رہی ہے۔ حکومتی سطح پر اس لہر سے نمٹنے کے لیے بڑے پیمانے پر کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔ قبل از وقت تیاری کے یقیناً اچھے نتائج سامنے آئیں گے لیکن جہاں تک کورونا کی وبا سے نمٹنے کے کامیاب تجربات کی بات ہے تو اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً ماسک لگانا، بھیڑ بھاڑ سے گریز کرنا، اور بلا شدید ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلنا وغیرہ۔

بچو! یاد رکھو کہ کورونا کی ہلاکت خیزی اور اس کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے جہاں حکومتی سطح پر کی جانے والی کوششیں اہم ہیں، وہیں خود بچوں کے ذریعے اپنائے گئے احتیاطی اقدامات بھی اہم ہوں گے۔ اس لیے تمام بچوں کو چاہیے کہ وہ ماہرین کی ہدایتوں اور حکومت کی ہدایات کو سامنے رکھتے ہوئے فوری طور سے احتیاطی تدبیریں اختیار کریں۔ بلا شدید ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلیں، جہاں تک ہو سکے سوشل ڈسٹنسنگ قائم رکھیں اور ماسک کا ضرور استعمال کریں۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بچے ہمیشہ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ والدین انھیں ٹوکتے ہیں مگر اکثر اوقات وہ اپنے والدین اور بڑوں کی باتوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور جو انھیں کرنا ہوتا ہے، کر گزرتے ہیں۔ بچوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اس رویے میں تبدیلی لائیں، خاص طور پر کورونا کے معاملے میں انھیں زیادہ حساس ہونے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں کسی طرح کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔

کورونا نے زندگی کے جن شعبوں کو متاثر کیا ہے، ان میں ایک تعلیم کا شعبہ ہے۔ اسکول بند ہیں جن کی وجہ سے بہت سے بچے اپنے تعلیمی سلسلے کو جاری نہیں رکھ پا رہے ہیں۔ اگرچہ بعض بچے آن لائن پڑھائی کر رہے ہیں، مگر یہ سہولت نہ تو سب کو میسر ہے اور نہ ہی سب آن لائن پڑھائی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بچوں کو چاہیے کہ وہ اس تعلق سے غور و فکر ضرور کریں اور وقت کو یوں ہی ضائع نہ ہونے دیں۔ جو بچے آن لائن تعلیم حاصل کر رہے ہیں، وہ اسے جاری رکھیں، لیکن جو بچے ایسا نہیں کر پا رہے ہیں وہ یا تو آن لائن تعلیم سے وابستہ ہونے کی پوری کوشش کریں یا پھر اس کا کوئی نعم البدل تلاش کریں۔ اگر والدین یا گھر کے دوسرے افراد پڑھے لکھے ہیں تو ان سے مدد لیں۔ اسی کے ساتھ وہ خود بھی پڑھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ جو کتابیں وہ پڑھ چکے ہیں، انھیں دہرانے کا عمل بھی کیا جا سکتا ہے۔ والدین یا اساتذہ کی رہنمائی کے مطابق خارجی کتابوں کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوگا۔ اس طرح وہ کسی نہ کسی حد تک اپنی تعلیم جاری رکھنے میں کامیاب رہیں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

کافی انتظار کے بعد 'بچوں کی دنیا' کا نیا شمارہ دیکھ کر دل بہت خوش ہو گیا۔ پہلے چار پانچ صفحات پڑھنے کے بعد جانا کہ گوتم بدھ کی زندگی کے تعلق سے یہاں خوشیاں ہیں مگر یہ شائع ہونے والی کہانی دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ میرے بچپن کا وہ زمانہ بیت گیا، جس میں پھول (لاہور)، غنچہ (بجنور) اور کھلونا (دہلی) جیسے رسالے ستارے کی حیثیت رکھتے تھے اور اس زمانے میں ان کی کوئی نظیر ملنا مشکل تھی لیکن اب وہ سب رسالے بند ہو چکے ہیں۔

ویسے آج کے دور میں 'بچوں کی دنیا' وہ واحد ماہنامہ ہے، جو زمانے کی تیز رفتار کا آئینہ دار ہونے کی وجہ سے بچوں کا ہر دلعزیز رسالہ بن چکا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کی دن دونی رات چوگنی ترقی پر میری طرف سے دلی مبارکباد قبول ہو۔

ولی محمد قاضی، احمد نگر، کوسہ ممبرا، تھانے (مہاراشٹر)

'بچوں کی دنیا' کا مئی کا شمارہ پڑھا۔ بہت خوشی اور اطمینان حاصل ہوا۔ یہ شمارہ مواد اور کاغذ و طباعت کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے۔ اس میں بچوں کی دلچسپی اور معلومات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مضامین، کہانیاں بھی ہیں، نظمیں، ڈرامے بھی ہیں۔ ان کے علاوہ سائنس نامہ، صحت اطفال، جنرل نالج، زبان شناسی اور سائنس نامہ بھی ہے۔ 'چمن چمن کے پھول' کے تحت شاعری بھی پیش کی گئی ہے تاکہ بچے اشعار بھی یاد کر سکیں۔ اس کے ساتھ بچوں کی پینٹنگ کا صفحہ بھی اس رسالہ میں شامل ہے۔ یہ تمام ہی کالم بچوں کے لیے بہت مفید ہیں۔ اس زمانے میں سائنس کو بہت مقبولیت حاصل ہے اور سائنس کی وجہ سے دنیا تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ اس لیے سائنسی علوم کا حاصل کرنا بہت اہم ہے۔ 'بچوں کی دنیا' میں سائنس کی معلومات شامل کرنے کا یہی مقصد ہے کہ بچے چھوٹی عمر سے ہی سائنس کے موضوع سے جڑ جائیں۔ اس شمارے میں جو مضمون صحت کے حوالے سے شائع کیا گیا ہے، وہ بہت اہم ہے۔ آج کل جنرل نالج بھی ایک اچھا موضوع ثابت ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے بہت سے طلبا مختلف قسم کے مقابلہ جاتی امتحانات میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کا یہ کالم بچوں کی جنرل نالج میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے۔ بچپن کی عمر میں ایک اور بات بہت اہم ہوتی ہے اور وہ ہے زبان سیکھنا۔ وہ جو سنتے اور پڑھتے ہیں خود ان کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کے ذمہ داران مبارکباد کے مستحق ہیں۔ پیش نظر شمارے میں زبان شناسی کے لیے اس رسالے میں ایسے محاورے دیے گئے ہیں جو زبان کے سکھانے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر زبان میں بہت سے محاورے بہت مشہور ہوتے ہیں، جن کی واقفیت کے بغیر زبان اچھی زبان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یوں تو اس شمارے کے تمام مضامین بہت اچھے ہیں، مگر خاص طور پر جو موضوع کی مناسبت سے زیادہ اچھے لگے، ان میں ہنسنے کے فائدے، کام آدھا ادھورا اور یوم عید شامل ہیں۔ اس شمارے میں یہاں ایک مضمون اور دو نظمیں شائع کی گئی ہیں۔ محمد اکرام صاحب کا مضمون 'میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے' بہت عمدہ اور معلوماتی مضمون ہے۔ مضامین اور نظموں کے ساتھ اس شمارے کی کہانیاں بھی بہت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شمارہ ہر بچے کو پابندی سے پڑھنا چاہیے تاکہ ہر بچے کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔

ابوسلمان، محلہ [illegible]، یوپی

رامانجن

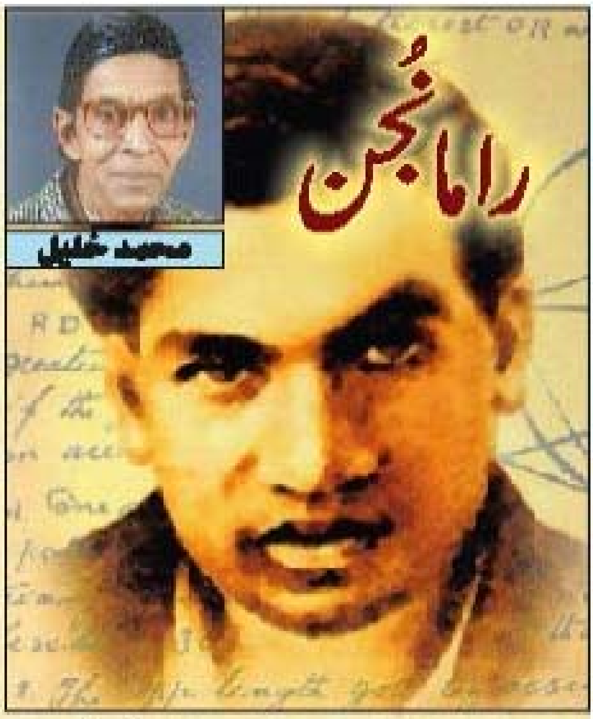

محمد خلیل

سری نواس رامانجن 22 دسمبر 1887 کو تامل ناڈو میں ضلع کمبا کونم، ایروڈ نامی مقام پر ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں پڑھائی شروع کی۔ ان کے والد کا نام سری نواس آئنگر تھا وہ ایک چھوٹی دکان میں کلرک تھے۔ 20 روپے مہینے میں خرچ مشکل سے چلتا تھا، اس لیے اپنے پرانے گھر کا ایک کمرہ دو طالب علموں کو دس روپے پر دیا تھا۔ تیس روپے کی آمدنی میں بھی مشکل ہوتی تھی یہی وجہ تھی کہ کبھی کبھی رامانجن کو بھوکے پیٹ ہی اسکول جانا پڑتا تھا۔

جب وہ آٹھویں درجے میں تھے تو محلے میں رہنے والے ایک بی اے کے طالب علم سے ٹرگنا میٹری کی کتاب مانگ کر اس کا مطالعہ کر ڈالا۔ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی اور ریاضی کی کتاب میں دیے سوالات کو حل کر ڈالا۔ بی اے کا وہ طالب علم رامانجن سے ریاضی کے مشکل سوالوں کو حل کرنے میں مدد لیا کرتا تھا۔ ان کے استاد بھی ان کی ذہانت سے تعجب میں پڑ جاتے تھے۔ اس کتاب کے بعد انھیں جیسے ریاضی فارمولے تلاش کرنے کا شوق پیدا ہوگیا۔ جب کوئی نیا فارمولا ان کے دماغ میں آتا وہ اس کو نوٹ بک میں درج کر لیتے۔ یہی نوٹ بک بعد میں ان کے کاموں کے لیے مشہور ہوئی۔ 1903 میں انھوں نے دسویں کلاس کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا جس کے بعد انھیں اسکول میں وظیفہ ملا۔ وہ انٹر کے امتحان میں دو مرتبہ ناکامیاب ہوئے۔ انھوں نے ریاضی کے علاوہ دوسرے مضامین مثلاً تاریخ انگریزی اور سائنس میں غفلت برتی۔ رامانجن کو اسکولی زمانے سے ہی اعلیٰ ریاضی میں بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس پر کافی وقت صرف کیا اور بغیر کسی دوسرے کی مدد کے ریاضی کے فارمولوں پر پورا عبور حاصل کرلیا لیکن انھوں نے اسے ہی کافی نہ سمجھا بلکہ اپنی لیاقت کی بنیاد پر جدید فارمولے اور تھیوری ایجاد کی۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کی انگریزی اچھی نہ تھی لیکن رفتہ رفتہ اپنے مطالعے اور محنت سے انگریزی پر بھی انھوں نے مہارت حاصل کرلی۔ خاص طور پر بنیادی اعداد کے نظریے (پرائم نمبر تھیورم) پر غور و خوض کے بعد فارمولے کا حل تلاش کیا۔ یہی نہیں رامانجن نے دوسرے ریاضی کے نتیجے پیش کیے جن کو بغیر ثبوت کے انھوں نے اپنی ڈائری میں لکھ لیا تھا۔ یہ راز پروفیسر ہارڈی کے ایک بیان سے لوگوں پر عیاں ہوا۔ رامانجن نے ریاضی کے ان مسئلوں کو بھی حل کرنے کی کوشش کی جنھیں دوسرے ریاضی داں حل کرنے سے گھبراتے تھے۔

مثال کے طور پر ماڈیولر فارم کا نظریہ جو بالکل نیا تھا، رامانجن اس طرح ایک عظیم ریاضی داں بن گئے اور یورپ کے مشہور عالمی ریاضی داں آئنسٹائن اور پاکولی کی صف میں شمار ہونے لگے۔ سرکل کھنڈ کا اضافہ رامانجن کا ایک اہم کارنامہ ہے جو مشہور ریاضی داں آئنسٹائن کے فارمولے کی بنیاد پر منحصر ہے۔ آپ نے بہت سے اچھے ریاضی کے مسئلوں کو پیش کیا جو کئی

برسوں تک حل نہ کیے جاسکے۔ وہ 33 سال کی عمر میں ہی اپنی ریاضی کی تحقیق کے عروج کو پہنچ گئے۔ جو دوسرے سائنسدانوں کو طویل عمر کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکی۔ سری راما نجن کے تحقیقی مقالات کو کیمبرج یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، وہ ریاضی داں کے علاوہ ماہر نجوم بھی تھے اور ایک اچھے مقرر بھی۔

راما نجن جب ساتویں درجے کے طالب علم تھے تو ایک دن ریاضی کے استاد نے طالب علموں سے عددوں کی تقسیم پڑھانے کے دوران معلوم کیا کہ جس طرح تین پھلوں کو تین طالب علموں کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو ایک ایک پھل ملے گا اسی طرح دس پھلوں کو دس طالب علموں میں تقسیم کرسکتے ہیں تو ہر ایک کو ایک پھل ملے گا پھر راما نجن کے درجے کے لڑکوں نے سو پھلوں کی تقسیم کا جواب بھی صحیح دیا اور پھر اسی بنیاد پر استاد ریاضی کے اصولوں کو سمجھانے لگے کسی بھی عدد کو اسی عدد سے تقسیم کیا جائے تو حاصل عدد ایک ہوگا۔

یہ سنتے ہی، راما نجن فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور استاد سے دریافت کیا کہ جناب کیا صفر کو صفر سے تقسیم کیا جائے تو تقسیم حاصل ایک ہوگا۔ صفر حاصل کو طالب علموں کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے جب بھی سبھی کو ایک ایک پھل ملے گا۔

یہ سن کر ان کے استاد تعجب میں رہ گئے اور راما نجن کی صلاحیت سے بے حد متاثر ہوئے۔

اسی طرح ان کے لندن میں تعلیمی زمانے کا ایک اور واقعہ ہے جب پروفیسر ہارڈی لندن میں اپنے کلاس میں بلیک بورڈ پر ریاضی کے فارمولوں کو سمجھا رہے تھے تو درمیان میں انھوں نے راما نجن سے دریافت کیا "کیا آپ ان سوالوں کو سمجھ رہے ہیں؟" جی ہاں! راما نجن نے سر ہلا کر جواب دیا۔ ہارڈی نے پھر سوال کیا "آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" وہ اٹھ کر بلیک بورڈ کے نزدیک آئے اور کچھ ایسے ریاضی کے فارمولوں کو بورڈ پر لکھنے لگے جنھیں ہارڈی نے اپنی کلاس میں اب تک نہیں پڑھا تھا۔ وہ ریاضی کے آگے کی چیزیں تھیں اور بالکل نئے طریقے سے راما نجن نے حل کیا تھا۔ ہارڈی کے لیے وہ بالکل نئی جانکاری تھی۔ 1916 میں راما نجن کو بی۔ اے کی اعزازی (آنریری) ڈگری عطا کی گئی۔

28 فروری 1918 میں انھیں لندن کی رائل سوسائٹی کا فیلو بنایا گیا۔ یہ اعزاز انھیں اپنی تحقیقی صلاحیتوں کی بدولت حاصل ہوا تھا جو اس سے قبل ایک ہندوستانی ولشیر کرشیٹ جی جہاز تیار کرنے والے انجینئر کو 1841 میں ملا تھا۔۔۔ اس طرح ستر سال بعد یہ عالمی اعزاز راما نجن کو حاصل ہوا تھا۔ ان کی ریاضی کی تحقیقات سے متاثر ہوکر عالمی شہرت کے ماہرین کا خیال تھا کہ راما نجن مستقبل میں بھی ایک ریاضی داں کی حیثیت سے باقی رہیں گے لیکن قدرت کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں ہے۔ کیمبرج میں اپنے پانچ سالہ قیام کے دوران وہ دق کے موذی مرض میں مبتلا ہوگئے۔ وہ سبزی خور تھے۔ اس طرح وہ کھانا خود پکاتے تھے۔ بیماری میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ طبیعت کے بہتر نہ ہونے پر انھیں مجبوراً ہندوستان واپس آنا پڑا لیکن افسوس وہ ہندوستان آکر بھی صحت یاب نہ ہوسکے اور ان کی صحت دن بہ دن گرتی رہی اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنی مصروفیات کافی بڑھالی تھیں۔ آخر مدراس کے چیت پیٹ کے مقام پر 26 اپریل 1920 کو 33 سال کی عمر میں ملک کا ایک عظیم ریاضی داں ایک ایسے سفر پر روانہ ہوگیا جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

■

Mohammad Khalil
Scientist
H-51, Dr Iqbal Lane
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

مطالعہ کے فائدے

عبدالعزیز مرطان

بچو! دو آدمیوں کے بیچ آپسی بات چیت کا ذریعہ زبان ہوتی ہے۔ زبان کے ذریعے آپسی خیالات کی منتقلی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس طرح زبان گفتگو کا ایک وسیلہ ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا چھوٹے بچے اپنی مادری زبان میں آسانی سے بات چیت کرتے ہیں اور تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان تبادلہ خیالات اور لین دین کا ایک ذریعہ ہے۔ اب آپ کو زبان سیکھنے کا مقصد بھی بتاتا چلوں۔ زبان سیکھنے اور سکھانے کے تین اہم مقاصد ہیں:

(1) صحیح تلفظ اور صحیح معنی کے ساتھ پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(2) الفاظ کے معنی سمجھتے ہوئے سننے کی صلاحیت پیدا کرنا۔

(3) صحیح زبان میں خود کے خیالات تحریر کرنا۔

یعنی سننا، پڑھنا اور لکھنا سب سے پہلے آپ سننے کی عادت ڈالیں۔ آپ کو جو پڑھایا جارہا ہے اس کے معنی اور مطلب کو سمجھتے ہوئے جن الفاظ کے معنی نہیں سمجھتے ہیں پوچھ لیں۔ اس زبان کے الفاظ کانوں سے سنیں گے اور سارے الفاظ ذہن میں محفوظ بھی ہوں گے۔ کان اور دماغ سے پہچان ہوگی۔ جیسے ہی دوبارہ یہ الفاظ سنیں گے کان فوراً اس آواز کو پہچان لے گا اور دماغ بھی اس کے معنی و مطلب کو سمجھ لے گا۔ آپ اپنے حافظے کے ذریعے اسے بیان کریں گے۔

جب کتاب پڑھیں تو صحیح تلفظ اور صحیح معنی کے ساتھ پڑھنے کی عادت ڈالیں۔ ایسے ہی سوالات کے جوابات صحیح زبان میں خود لکھیں۔ ان باتوں پر عمل کرنے کے بعد آپ زبان آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔

اب آپ کو پڑھنے کے بارے میں بتاتا ہوں کہ پڑھنے (Reading) سے کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پڑھنا، کیوں اچھا ہے؟ 'پڑھنا' جسے ہم 'پڑھائی' خواندگی، مطالعہ اور Reading اور عبارت خوانی بھی کہتے ہیں۔ پڑھائی کے

بارے میں کہا جاتا ہے کہ پڑھائی علم حاصل کرنے کی کنجی ہے۔

پڑھائی سے واقفی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اچھے اور برے کی تمیز ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے رسم الخط، الفاظ اور حروف کی پہچان بھی ہوجاتی ہے۔ عبارت کے معنی و مطلب کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ عبارت خوانی یعنی عبارت پڑھنا، عبارت خوانی دو طرح سے کی جاتی ہے۔ اول بلند خوانی اور خاموش مطالعہ۔

بلند خوانی یعنی بلند آواز سے پڑھنا اور دوسرا خاموش مطالعہ۔ بلند آواز سے پڑھنے سے تلفظ کی ادائیگی صحیح ہوجاتی ہے۔ رموز واوقاف کا خیال اور حروف کی صحیح ادائیگی، ساتھ ہی سوالیہ جملہ اور ندائیہ جملہ کی بھی واقفیت ہوجاتی ہے۔ غلطیاں بھی دور ہوجاتی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ بلند آواز سے پڑھنے کی عادت ہوجاتی ہے اور زبان پر بھی مہارت حاصل ہوجاتی ہے۔ ایسے ہی بچے تحریر وتقریر کے قابل بن جاتے ہیں۔

آپ نے عربی مدرسوں میں دیکھا ہوگا کہ طلبہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں جن بچوں کو پڑھنے سے دلچسپی ہوتی ہے وہ خوشی بلند خوانی کرتے ہیں۔ کچھ بچے خاموش مطالعہ کرتے ہیں اور حافظ قرآن بھی ہوتے ہیں۔ ان کی تلاوت قرآن سن کر آپ کو ان باتوں کا اندازہ ہوگا کہ بلند خوانی سے کون کون سے فائدے ہوتے ہیں۔ وہ الف، ع، ک، ق، ف حروف کی ادائیگی کس طرح کرتے ہیں۔ اس طرح پڑھنے سے ان کے پڑھنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح پڑھنے کی صلاحیت بچوں میں پیدا کی جاسکتی ہے۔ جب پڑھنے کی عادت پیدا ہوگی تو بچے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کریں گے اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کریں گے۔

دیکھو بچو! کتابوں کی پڑھائی سے کتنے فائدے ہوتے ہیں اور زبان پر مہارت کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ جو طلبہ کتابوں اور اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ذہین اور عقل مند ہوتے ہیں اور ہر امتحان میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ اب آپ ہی سوچیے۔ آپ کو ہر امتحان میں کامیاب ہونا ہے تو کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

لہٰذا مطالعہ کی عادت ڈالیں اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ مطالعہ سے معلومات و تجربات میں اضافہ ہوتا ہے، انسانی شعور و ادراک میں بھی بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔

■

Dr. Abdul Azeez Irfan
Near Maulana Azad College
National Colony
Plot No.: 34
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)
Mob.: 9890204715

امانت اللہ

عید قرباں: فلسفہ اور تاریخی پس منظر

دنیا میں جتنی قومیں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے سال میں کچھ ایسے دن مقرر ہیں جن میں وہ کوئی نہ کوئی تہوار مناتی ہیں، قوم مسلم کے لیے بھی سال میں دو ایسے موقعے آتے ہیں جب سارا عالم اسلام خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور قومی جشن بھی کرا سے مناتا ہے، ایک دوسرے سے قلبی مودت و محبت کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔

ایک موقع عید الفطر کا ہوتا ہے جو اسلامی تہواروں میں سب سے پُر مسرت اور دلکش تہوار ہے، بندہ مومن کو رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے پر شوال کے مہینے کا پہلا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام عطا کیا گیا ہے، دوسرا موقع اسلامی مہینوں کے آخری مہینے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے جسے ہم عید الاضحیٰ کے نام سے جانتے ہیں۔

ماہ ذی الحجہ کا نام آتے ہی ہمارے ذہنوں میں بہت سے تاریخی واقعات گردش کرنے لگتے ہیں، ان واقعات میں حضرت ابراہیم اور ان کے لخت جگر اسماعیل علیہما السلام کی قربانی کا تاریخ ساز واقعہ اپنی مثال آپ ہے، دونوں باپ بیٹے کی یہ فقید المثال قربانی عظمت و عزیمت کا ایک ایسا نادر اور محیر العقول واقعہ ہے جس سے انسانی عقل حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے، جب بھی یہ مبارک مہینہ آتا ہے پوری دنیا کے مسلمان حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اس یادگار قربانی سے اپنے ایمان ویقین کی دنیا کو آباد کرتے ہیں۔

ذی الحجہ کے مہینہ میں اسلام کا ایک اہم بالشان رکن فریضۂ حج بھی ادا کیا جاتا ہے۔ حجاج کرام اس ماہ کی 9 تاریخ کو میدان عرفات میں وقوف کے ذریعہ مناسک حج کا رکن اعظم ادا کرتے ہیں، پھر دوسرے دن دسویں تاریخ کو شیطان کو کنکریاں مار کر بارگاہ الٰہی میں قربانی پیش کرتے ہیں اور یہ سلسلہ تین دن تک جاری رہتا ہے۔ اسی طرح ساری دنیا کے مسلمان 10، 11، 12 ذی الحجہ کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل

کرنے کے لیے حسب استطاعت قربانی پیش کرتے ہیں۔

یہ قربانی جس کو دنیا کے تمام مسلمان ہر سال ذی الحجہ کے مہینے کی دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخ کو کرتے ہیں ایک بہت بڑے واقعہ کی یادگار ہے، یہ دنیا کی تاریخ کا سب سے بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے۔ اس کی ابتدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جس میں ایک عجیب خواب کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے نور نظر کو راہ خدا میں قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قربانی کا عمل ابتدائے انسانیت سے ہی مختلف شکلوں اور طریقوں سے جاری وساری رہا ہے، تاریخ عالم اور تاریخ مذاہب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انسانی تاریخ جتنی قدیم ہے، قربانی کی تاریخ بھی تقریباً اتنی ہی قدیم ہے۔ انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآن کریم میں اس قربانی کا ذکر کچھ اس طرح ملتا ہے، ترجمہ: "اور انھیں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی"۔ (سورۃ المائدہ) دراصل ایک نے جس کا نام ہابیل تھا، دل کی آمادگی سے اللہ کی رضا کی خاطر بہترین دنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام قابیل تھا، بے دلی سے ناکارہ غلے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا۔ ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور اس دور میں قربانی کی مقبولیت کی علامت یہی تھی۔ یہ تو انسان کی پہلی قربانی تھی لیکن ہم جو ہر عید قرباں کے موقعے پر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، یہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام جلیل القدر نبی و پیغمبر ہیں۔ اولاد آدم کی سب سے عظیم قربانی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہا ہوں۔ نبیوں کا خواب سچا اور من جانب اللہ ہوتا ہے، چنانچہ صبح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: بیٹے میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں میں اپنے ہاتھ سے تجھے بحکم الٰہی ذبح کر رہا ہوں۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ترجمہ: "اے میرے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ میں آپ کو ذبح کر رہا ہوں پس بیٹا آپ کی کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کیا ہی خوب جواب دیا۔ ابا جان، آپ کو جو حکم ہوا ہے، اس پر عمل کر گزریے، آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے"۔ (سورۃ الصافات) چنانچہ حکم ربانی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نور چشم کو ساتھ لے کر مکہ سے مشرق کی جانب منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے، انسانیت کے ازلی دشمن شیطان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا پسند نہ آئی، وہ فوراً تعاقب میں نکل پڑا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مقابلے پر اللہ کے خلیل جیسے استقامت کے پہاڑ ہیں وہ اپنی تدبیروں سے باز نہ آیا، پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس ایک مہربان ہمدرد کی شکل میں نمودار ہوا اور پوچھا اسماعیل کہاں گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے والد کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں چننے گئے ہیں، شیطان نے کہا ہرگز نہیں تم غفلت میں ہو، اسماعیل کے باپ ان کو ذبح کرنے لے گئے ہیں، حضرت ہاجرہ بولیں کہیں باپ اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ شیطان نے کہا ہاں، ایسا ہی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے یہ سن کر اکلوتے بیٹے کی ماں نے جواب دیا کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا سو

اسماعیل بھی قربان ہیں۔ شیطان کا یہ حربہ جب کامیاب نہ ہوا تو اب باپ اور بیٹے کے تعاقب میں لگ گیا جو شہر کہ سے منیٰ کی طرف جا رہے تھے، اولاً ایک دوست کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو روکنا چاہا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ شیطان مجھے ناصح بن کر اپنے عشق کے امتحان سے روکنا چاہتا ہے مگر آپ نے فوراً اس کے حربہ کو اس طرح ناکام کیا کہ سات کنکریاں ماری، ہر کنکری پر آپ تکبیر پڑھتے جاتے تھے، آپ پھر آگے روانہ ہوگئے مگر شیطان نے پھر ہمت کر کے وہی نصیحت کی، انہوں نے اللہ کے فضل و کرم سے پھر شیطان کو کنکریاں مار کر بھگا دیا، لیکن یہ شیطان تھا بھلا اپنے ارادے سے کس طرح باز رہ سکتا تھا اس لیے اس نے پھر ہمت کر کے تیسری بار راستہ روکنا چاہا مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس زور سے کنکریاں ماریں کہ شیطان کی تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں، حج کے موقع پر جو کنکریاں ماری جاتی ہیں، ان کی ابتدا بھی اسی واقعے سے ہوتی ہے، حجاج ان ہی تین جگہوں پر کنکریاں مارتے ہیں اور اسی سنت ابراہیمی کو کنکریاں مار کر زندہ کرتے ہیں جسے "رمی جمار" کہا جاتا ہے، غرض اس طرح شیطان کی چالوں سے بچتے بچاتے میدان میں قربانی کی جگہ پہنچ کر اللہ کے حکم کی بجا آوری شروع فرما دی جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ملتا ہے "پس ان دونوں نے رضا و تسلیم کو اختیار کر لیا اور پیشانی کے بل اس بیٹے کو لٹا دیا، ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔"

پھر اللہ نے ایک مینڈھا بھیجا جسے اپنے بیٹے کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا، دراصل حضرت اسماعیل کو ذبح کرانا یا ان کی قربانی دینا مقصود نہیں تھا بلکہ مقصود تو صرف ابتلا، آزمائش اور امتحان لینا تھا۔ آپ اپنے امتحان میں پورے اترے بلکہ باپ بیٹا دونوں ہی اس امتحان میں پورے اترے اور اسی تعمیل حکم کے سبب مینڈھا ذبح کرنے پر بیٹے کی قربانی دینے کا ثواب مل گیا۔

یہی وہ واقعہ ہے جس کی یادگار عید قرباں کے موقعے پر منائی جاتی ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے اس عمل کو اللہ نے ایسا پسند فرمایا کہ قیامت تک آپ کی یاد کو امت میں زندہ رکھنے کا حکم دے دیا اور اس کی نقل کرنے کو محبوب عبادت قرار دے کر بندوں پر لازم کر دیا۔

چنانچہ ابتدائے اسلام سے آج تک پوری دنیا کے مسلمان ہر سال مقررہ دنوں میں یہ عمل کرتے ہیں، یہ عمل نہ صرف یہ کہ اسلامی واجبات میں سے ایک واجب ہے بلکہ قربانی کو اسلام کے شعائر میں داخل کیا گیا ہے۔

حقیقت میں قربانی کا مقصد صرف گوشت کھانا اور کھلانا نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کا ایک حکم ہے جس کی اطاعت اور تعمیل کی جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اس پر عمل کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اس کو واضح طور پر بیان کرتا ہے "اللہ کے یہاں ان قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، ہاں تمہارا جذبۂ اطاعت پہنچتا ہے" یعنی جانوروں کو ذبح کرنا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ قربانی کا اصل مقصد ہمارے جذبۂ اطاعت کا امتحان ہے کہ ہمارے اندر اپنے خالق کی فرماں برداری کا کتنا ذوق و شوق پایا جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں کس قدر اخلاص موجود ہے۔

■

Ammatullah
A-22,Seema Apartment, Lane No 7
Batla House Chowk Jamia Nagar
New Delhi - 110025

عقیلہ شیخ

آن لائن تعلیم اور اس کے اثرات

آن لائن تعلیم تعلیم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اساتذہ گھر میں ہی انٹرنیٹ کے ذریعہ ملک یا صوبے کے کسی بھی کونے سے بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس میں اساتذہ اور طلبا اپنی سہولت کے مطابق وقت کا انتخاب کرکے آن لائن رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اساتذہ آسانی سے واٹس ایپ، اسکائپ اور زوم ویڈیو کالنگ کے ذریعہ بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ آج ہم کووڈ 19 کے تحت بہت ہی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں معاشی اور معاشرتی نظام تباہ ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارا تعلیمی نظام بھی شدید متاثر ہوا۔

سال بھر پہلے تعلیم و تدریس لگ بھگ آن لائن ہوگئی۔ جہاں ہمیں پہلے یہ سننا پڑتا تھا کہ موبائل سے دور رہو اب یہ سننا پڑتا ہے کہ یہ لو موبائل اور جا کر پڑھائی کرو۔ والدین بھی اپنے بچوں کو موبائل دینے کے لیے مجبور ہیں۔ آن لائن فاصلاتی تعلیم نے لاک ڈاؤن میں جاری پریشانی کو کم کر دیا ہے۔ اب اسکول کی ہدایت کے مطابق اساتذہ بچوں کو گھر سے آن لائن پڑھا رہے ہیں تاکہ تعلیم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آن لائن تعلیم ایک مختلف قسم کا نظام ہے جس میں اساتذہ مختلف قسم کے آلات کا استعمال کر کے تعلیم کو آسان بناتے ہیں۔ اساتذہ سے مستقل رابطہ ہونے سے طلبہ کو زیادہ دقتیں نہیں آتیں اور معاملات کی فوری رفت سے طلبہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ آن لائن وسائل کے ذریعہ آن لائن اسباق پڑھانا دلچسپ ہوگیا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود آن لائن کلاسز کے نظام کو پوری طرح چست و درست نہیں کہا جا سکتا۔ آن لائن نظام میں کئی طرح کی دشواریاں ہیں۔ مثلاً اچھے نیٹ ورک کا نہ ہونا۔ لازمی آن لائن ٹیوشن میں اچھے نیٹ ورک کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں نیٹ ورک نہیں ہے وہاں آن لائن تعلیم کا حصول مشکل ہے۔ لوگوں کو خاص طور پر دیہی علاقوں میں تیز

رفتار انٹرنیٹ تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا وہاں اب بھی آن لائن تعلیم دستیاب نہیں ہے۔

تعلیم کے لیے خاطر خواہ منصوبہ بندی کا فقدان:

جب پہلے بچے فزیکل موڈ کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے تو، ایک مطالعہ کی فہرست کے مطابق، بچے مقررہ مدت کے لیے کتابوں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ یہ ایک دیرینہ روایت ہے۔ آن لائن تعلیم کے تحت ایسی کوئی خصوصی تعلیمی فہرست تیار نہیں کی گئی ہے۔ بچے اسکول میں ہر ممکن حد تک نظم وضبط کا مظاہرہ کرسکتے ہیں۔ لیکن آن لائن کلاسوں میں نظم وضبط کی کمیوں کو دور کرنا مشکل ہے۔

مسابقتی ماحول کی کمی:

مسابقتی ماحول کی کمی کی وجہ سے آن لائن تعلیم میں طلبا کے درمیان یہ کیفیت دکھائی نہیں دیتی۔ اگر کوئی طالب علم باقی طلبہ کے ساتھ بھی اس کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس سے مزید مطالعے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جب طلبا کسی گروپ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں تو زیادہ محتاط رہتے ہیں۔ بچے اپنی صلاحیت کو ثابت کرنے کے لیے سخت محنت کرتے ہیں اور مسابقتی ماحول ہوتا ہے۔ آن لائن تعلیم میں یہ ماحول نہیں پایا جاتا ہے۔

طالب علموں کو مناسب طریقے سے سیکھنے کے قابل نہیں ہوتا:

عام طور پر ایک ٹیچر آپ کو کلاس روم میں براہ راست سکھا سکتا ہے۔ آپ اپنی تقریر اور کلاس میں اپنے رد عمل کو دیکھ کر اس موضوع کو سیکھنے کے کتنے قابل ہیں۔ آپ کی باڈی لینگویج پڑھ سکتی ہے۔ دوسری طرف، آن لائن تعلیم براہ راست آمنے سامنے بات کا موقع فراہم نہیں کرتی ہے۔

عملی تعلیم کی کمی:

عملی تجربہ کو تعلیم کے نقطہ نظر سے اہم سمجھا جاتا ہے۔ آن لائن تعلیم میں زیادہ تر عملی تجربہ نہیں ہوتا ہے۔ متحرک ویڈیوز اور پریکٹس ویڈیوز آن لائن تعلیم میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسکول میں، اساتذہ طلبا کو مادی اشیا استعمال کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس عملی سلسلے سے اس کی کمی نظر آتی ہے۔

خود کو پہچاننے کی کمی:

اسکولوں میں، امتحانات اور ہوم ورک وغیرہ میں بچوں کی قابلیت جاننے کے لیے دیا جاتا ہے۔ تاکہ ٹیچر کو پتہ چل سکے کہ بچے کہاں پیچھے رہ گئے اور وہ کتنا جان سکتے ہیں۔ اس سے بچے بھی آپ کا خوب امتحان لے سکتے ہیں۔ آن لائن تعلیم میں خود تشخیص کا فقدان ہے۔ آن لائن تعلیم میں اپنے آپ کو جاننے کا موقع کم ہوتا ہے۔ آن لائن تعلیم میں بچے اس کتاب کو پڑھتے ہیں جبکہ اسکولوں میں طلبا کو طرح طرح کی کتابوں سے روشناس کیا جاتا ہے۔

نظم وضبط کی کمی:

اسکول میں طلبا ہمیشہ نظم وضبط کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے کلاس ورک اور ہوم ورک کو ایک مقررہ وقت پر مکمل کرتے ہیں۔ لیکن آن لائن تعلیم میں طے شدہ نظم وضبط کی پیروی نہیں کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ آن لائن تعلیم میں ہر قسم کے پہلو ہیں۔ لیکن یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ آن لائن تعلیم نے لاک ڈاؤن میں بچوں، اساتذہ اور تعلیمی تنظیموں کی مدد کی ہے اور تعلیم کے بہاؤ کو روکا نہیں ہے۔ ٹکنالوجی نے اتنی ترقی کی ہے کہ ہم گھر سے اور دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھ کر انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔

■

Adeela Shaikh
Doman Pura West, Mau Nath Bhanjan
Mau - 275101 (U.P)

حیدر بیابانی اور ان کی نظمیں

بچوں کی اخلاقی و ذہنی تربیت ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لحاظ سے کسی بھی معاشرے اور کسی بھی زبان میں ادب اطفال کی تخلیق کا سلسلہ ایک بنیادی ضرورت کی تکمیل کا احساس دلاتا ہے۔ یقیناً بڑی ہی قدر و منزلت کے مستحق ہیں وہ قلم کار جنھوں نے اپنی صلاحیتیں اس کام میں لگا رکھی ہیں اور بچوں کے لیے محنت اور لگن وغیرہ سے مسلسل لکھ رہے ہیں۔ حیدر بیابانی ہمارے دور کا ایک ایسا ہی جانا پہچانا نام ہے۔ انھوں نے اپنے نام کی رعایت سے 'حیدر جی' سیریز کی صورت میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ زیر نظر کتاب 'حیدر جی کی نظمیں' اسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی ہے۔ اس سے پہلے 'حیدر جی کی غزلیں'، 'حیدر جی کے گیت' اور 'حیدر جی کی کہہ مکرنیاں' شائع ہو چکی ہیں اور جیسا کہ مصنف نے "پیش لفظ" میں بتایا ہے کہ اس سلسلے کی مزید کئی کتابیں منظر عام پر لانا ان کے منصوبہ جاتی عزائم میں داخل ہے۔ خدا کرے ان کے یہ عزائم بچوں کے حق میں مفید ثابت ہوتے رہیں۔ آمین!

جہاں تک زیر تبصرہ کتاب کا تعلق ہے تو اس میں ص 4 سے ص 8 تک چودہ حمد باری تعالیٰ اور ص 20 سے ص 31 تک بیس نعتیں شامل اشاعت ہوئی ہیں۔ حمدیہ کلام 'اللہ اکبر، اللہ اکبر' کی سیریز میں اور نعتیہ کلام 'نبی میرے' کچھ ایسے 'تھے' کی سیریز میں ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ص 18 پر 'من کل تانی' کا مصرع کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے لیکن بہر صورت مستفعلاتن کے وزن پر ترنم، سادگی، شگفتگی اور سلاست و روانی کے لحاظ سے مجموعی طور پر اس کتاب کا حمدیہ کلام بہت ہی عمدہ ہے۔ یقیناً بچے اسے شوق سے پڑھیں گے اور ان کی ذہنی و فکری تربیت بھی ہوگی۔

داتا وہی ہے مولا وہی ہے
اس کی خدائی ساری زمیں پر
اللہ اکبر اللہ اکبر

اسی طرح متفاعلن کے وزن پر لکھا گیا نعتیہ کلام بھی نبی کریمؐ کے فضائل و شمائل، حلیہ مبارک، اخلاق و عادات، اقوال و تعلیمات سیرت کے واقعات اور معجزات و اسناد کے مضامین سے آراستہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں حمد و نعت کے بعد 'اردو انگلش نامہ' ہے جو ص 33 سے ص 72 تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہایت ہی کامیاب اور مفید منظوم اردو انگریزی لغت ہے۔

جان لو انگلش کو اردو کی طرح — پھول کی مانند خوشبو کی طرح
جو ہے انگلش وہ ہے انگریزی زباں — جس کو پڑھتا اور لکھتا کل جہاں

یہ نظم تعلیمی لحاظ سے ایک قابلِ تحسین کوشش ہے۔ اس کے ذریعے ہمارے نونہال ذرا سی محنت کے ساتھ اردو انگریزی، انگریزی اردو لغت بنا سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حیدر بیابانی کی یہ نظم اس کتاب کی جان ہے۔ اس نظم میں انگریزی الفاظ اردو رسم خط میں لکھا گیا ہے جس سے تلفظ کی وضاحت ہو جاتی ہے اور مزید یہ کہ صفحہ بہ صفحہ انگریزی الفاظ انگریزی میں بھی لکھ دیے گئے ہیں جس سے بچوں کے لیے اسپیلنگ کا مسئلہ بر وقت حل ہو جاتا ہے۔

حیدر بیابانی کا یہ 'اردو انگلش نامہ' آٹھ سو سے زیادہ الفاظ پر مشتمل ہے اور نہایت مزے کی بات ہے کہ اس نظم میں ایک طرح کا ربط و تسلسل اور ایک خاص اعداد کی ارتقائی کیفیت بھی موجود ہے۔ مثلاً کسی شعر میں اگر لفظ 'جہان' آیا ہے تو اگلے شعر میں اس کی رعایت سے 'ورلڈ' کی بات ہوئی ہے یا لفظ 'گاڈ' آگیا ہے تو اس کے ساتھ 'خدا' کی بات ہوئی ہے۔ یہاں شاعر نے یہ کوشش کی ہے کہ ایک سلسلے کے قریبی الفاظ جیسے ٹیچر، مدرسہ، کاغذ، کتاب و رسالہ یا ماں، باپ، بھائی، بہن ایک ساتھ رہیں۔ گویا یہ نظم مناسبت لفظی کا خاص حسن رکھتی ہے اور مزید یہ کہ اس نظم کا اختتام بھی بہت سحری سلیقے سے ہوا ہے کہ

'دوسرا' سیکنڈ (اسے ورڈ) (سیلف) 'خود'
(آل) 'سارا' (اینڈ) سیکنڈ 'ختم شد'

ظاہر ہے کہ انگریزی اور اردو الفاظ میں بچوں کے لیے شبہات کا امکان تھا اس لیے مصنف نے یہ کامیاب طریقہ اپنایا ہے کہ انگریزی لفظ کو قوسین اور اس کے اردو ترجمہ کو واوین میں لکھ دیا ہے اور دیگر الفاظ کو اس اہتمام سے آزاد رکھا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ایسی مفید نظم الگ سے کتابی صورت میں بھی لائی جاتی کہ بچے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔

حیدر بیابانی کی زیرِ نظر کتاب میں 'اردو انگلش نامہ' کے بعد ص 73 سے دیگر نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ص 135 تک پہنچتا ہے۔ اس حصے میں نظم 'یہ داستان' حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی راست گوئی اور ڈاکو والی مشہور کہانی ہے۔ اس کے بعد مکالماتی نظم 'تکرار' سامنے آتی ہے جس میں آسمان و زمین کا باہمی مکالمہ ہے اور آخر میں ہوا یہ سمجھاتی ہے کہ

گلے لگ جاؤ تم دونوں، جدا رہنا نہیں اچھا
بڑی بولی نہیں اچھی، بڑا کہنا نہیں اچھا

یہاں 'جھگڑا کالی گوری کا' اگرچہ مکالماتی تکراری نظم ہے اور تمثیلی رنگ میں لکھی گئی منظوم کہانی 'سچ سچ' بھلائی کا پھل' بن کر سامنے آتی ہے تو مشہور مزاحیہ کہانی کے روپ میں 'قصہ میاں بیوی کا' بچوں کو یہ اسلوب درس دے جاتا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی سے بچو، اس لیے کہ ضد حقیقت کو ماننے نہیں دیتی ہے اور اس سے زندگی اور زمانے میں بڑا ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں دیگر نظموں کے تحت 'چالاک خرگوش کی' کے عنوان سے ایک خاصی طویل، مگر دلچسپ نظم سامنے آتی ہے جس کا سبق یہ ہے کہ تدبیر سے تقدیر بدلتی ہے۔ اسی طرح منظوم کہانی 'قصہ باپ بیٹے کا' دنیا والوں کے اس مزاج کی عکاسی

کرتی ہے کہ وہ اپنے مطلب کے لیے کسی حال میں دوسروں کو
قطعی نہیں لینے دیتے۔ اس لیے ان فضول باتوں سے ہمیشہ
ہوشیار رہنا چاہیے۔ 'خیالی دواخانہ' اگرچہ اس لحاظ سے دلچسپ
اور مزے دار نظم ہے کہ اس سے شاعر کا تخیل جھلکتا ہے تو 'سیر
سپاٹا' بھی اس لحاظ سے بہت خوبصورت اور پر لطف نظم کہلانے
کا حق رکھتی ہے کہ اس میں بگل دم، بیا اور پدی جیسے کئی خاص،
مگر کم مشہور پرندوں کے نام مل جاتے ہیں اور مختلف شہروں اور
ندیوں کے نام بھی بچوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

مورنی آئی پٹنہ سے ٹاٹا کے ڈرگمن سے
پر پھیلا گنگ لوٹ گئی سل ہاسا بے روک گئی

پرندوں کے سیر سپاٹے کی یہ کہانی سنانے کے بعد اس کتاب میں حیدر بیابانی نے بچوں کو بلی کے گلے کی گھنٹی دکھائی ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سوچنا اور کہنا آسان ہوتا ہے مگر کر کے دکھانا بہر حال مشکل ہے۔ 'دیگر نظمیں' کے اس حصہ میں ایک صفحہ اردو انگلش نامہ' کو بھی ملا ہے، حالانکہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی اور اس کے بعد مکالمے یا اقوال مواد کی شکل میں 'اللہ اور شیطان' کے عنوان سے ایک نظم شامل کی گئی ہے اس کا موضوع ذرا فلسفیانہ ضرور ہے مگر یہ ایک عمدہ، اخلاقی اور ذہن ساز نظم کہلائی جا سکتی ہے۔ اس مجموعے کی آخری نظم 'لڑکپن چھوڑ آئے ہیں' بچپن کی یادوں پر مشتمل بہت ہی پیاری، بہت ہی گنگناتی ہوئی اور ایسی موثر نظم ہے کہ بڑے بھی پڑھیں تو احساس ماضی سے نم دیدہ ہو جائیں۔

وہ گڑیا چھوٹ گئی ہم سے وہ گڈا چھوڑ آئے ہیں
گھروندے میں رکھا اک اک کھلونا چھوڑ آئے ہیں
ہمیں کاغذ کی اب ناؤ بنانی ہی نہیں آتی
وہاں پانی بھرے آنگن میں نیا چھوڑ آئے ہیں
ٹھمکنا ناچا بندر، ڈا ڈم Dل ڈمرو
محلے میں مداری کا تماشا چھوڑ آئے ہیں
سکوں آغوش کا، قدموں تلے آراستہ جنت
وہ جنت چھوڑ آئے ہیں، وہ ممتا چھوڑ آئے ہیں
ہم اپنے آپ کو محفوظ کب محسوس کرتے ہیں
لڑکپن جب سے ہم دامن تمہارا چھوڑ آئے ہیں

اس کتاب میں نظموں کے بعد ص 136 سے ص 144 تک ایسی تحریریں ملتی ہیں جو حیدر بیابانی کی چالیس سالہ ادبی خدمات کا مختصر، مگر جامع تاثراتی تعارف سامنے لاتی ہیں۔ بانو سرتاج، خیال انصاری، محبوب راہی، محمد طفیل، ایم مبین اور عبدالرحیم نشتر وغیرہ ہم نے غلط نہیں لکھا ہے کہ حیدر بیابانی کی نظمیں بچوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں اور موضوعات کی رنگارنگی، لفظوں کا مناسب انتخاب، بچوں کی زبان میں جذبات و احساسات کی ترجمانی، دلچسپ انداز میں سائنسی حقائق اور جنگلاتی ماحول و مناظر کی نقش کشی جیسے اوصاف ان کے یہاں بخوبی ملتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے حوالے سے مزید یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ 'حیدر جی کی نظمیں' نہ صرف مذکورہ خیالات کی توثیق کرتی ہیں بلکہ ان میں دلچسپ و فہم کشا اور معلومات افزا عناصر بچوں کیلیے ان کے مفید و موثر ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ بچوں میں اردو کتب بینی کا شوق جگانے کے حوالے سے 'حیدر جی کی نظمیں' جیسے مجموعے اپنی خاص عصری ضرورت و اہمیت کا معترف بناتے ہیں۔ امید قوی ہے کہ بچوں کے حلقے میں یہ کتاب پسند کی جائے گی اور والدین اور سرپرست حضرات یہ تحفہ ان تک پہنچانے کی راہ آسان بنائیں گے۔

■

Gul Afreen
Muzaffarpur (Bihar)

شعر نصیحت

شکیل سہسرامی

حاضر ہے وہ چند نصیحت
بچو اس کو سمجھو نعمت
قسمیں ہے گر جینا کافی
بچو پانی پینا کافی
رکھنی ہے گر آنکھ سلامت
موبائل کو جانو لعنت
مقصد ہے گر پانی عزت
حاصل کرو علم کی دولت
چڑیوں سے تم جینا سیکھو
بھور میں اٹھ کر پڑھنا سیکھو
محنت سے تم رشتہ جوڑو
سستی کی عادت کو چھوڑو
وقت کی قدر و قیمت سمجھو
کیا ہے اس کی عظمت سمجھو
عظمت اس کی جیسے پربت
خاموشی ہے بچو شربت
بچو تم ہی کل ہو اپنا
تم ہی ہو ہر آنکھ کا سپنا
طاقت مست کل ہو تم ہی
آنے والا دل ہو تم ہی

■

Shakeel Sahsarami
Near Rahman Masjid
Mohalla: Saman Pura, Raja Bazar
Patna - 14
Mob.: 9835642267

میرے پیارے چندا ماما
نیارے پیارے چندا ماما
دل کرتا ہے میں جا پہنچوں
پاس تمہارے چندا ماما
چندا ماما کو میں پیارا
مجھ کو پیارے چندا ماما
آپ کے چاروں اور ہیں تارے
کتنے سارے چندا ماما
ہمیں بلا لو یا آجاؤ
پاس ہمارے چندا ماما
ہم چلتے ہیں تو چلتے ہیں
ساتھ ہمارے چندا ماما
ہم رک جائیں تو رک جائیں
پیارے پیارے چندا ماما
سوچو سونو چنی منی
بولے سارے چندا ماما

■

Parwana Burhanpuri
Gazi Salaar Maidan
Mominpura
Burhanpur - 450331
Maharashtra

محمد وکیل

ریل بچھڑے ہوؤں کو ملائے

بچو! ہم بھی ذرا ریل دیکھیں — ریل، ریل اب ذرا ہم بھی کھیلیں
ریل ڈے اب منائیں گے ہم سب — شان اس کی بڑھائیں گے ہم سب
ریل سروس کا ہے آج چرچا — ہے سفر پہ مگر کم ہی خرچا
ریل ہے قیمتی اک اثاثہ — ریل کا نہ بنانا تماشہ
یہ ملاتی ہے بچھڑوں سے ہم کو — مل کے ہم بھول جاتے ہیں غم کو
نوجوانوں کا ہے آج سپنا — ریل کا ہی ملازم ہے بننا
ریل سے لطف لیتے ہیں بچے — ریل میں بیٹھے دکھتے ہیں اچھے
سیر دنیا کی ہم کو کرائے — خوشنما، اچھے منظر دکھائے
جھیل، پہاڑ اور دریا کا منظر — دل میں ہے اک خوشی کا سمندر
ریل ہوتی نہیں گر ہماری — یاترا کیسے ہم کرتے ساری؟
اب خوشی عورتوں کو ملی ہے — اک ٹرین ان کی خاطر چلی ہے
پڑھنے والی ہو یا پڑھنے والا — اب کرایہ نہیں لگنے والا

آؤ مل کر دعا یہ کریں اب
بند ہیں ریل کھل جائیں وہ سب

■

Md. Wakeel
B.L. No: 4, H. No.: 5
Post: Kankinara, North24
Parganas - 743126 (West Bengal)
Mob.: 9330126756

کمپیوٹر

کمپیوٹر نے دنیا بدل دی
کام کرے یہ جلدی جلدی
معلومات کا اس میں خزانہ
دنیا بھی ہو کہ دور پرانا
کی بورڈ کے صرف بٹن دباؤ
ماؤس سے تصاویر بناؤ
اسکرین کی اس کی شان نرالی
سیر کرائے کائنات کی ساری
لمحوں میں دکھلائے کل
گھٹ گھٹ کھیلو اس پہ کھیل
سفر کا وقت تم اس سے پوچھو
اپنی پسند کی زبان بھی سیکھو
تصویریں بھی شیئر کرے یہ
ڈیٹا میں محفوظ کرے یہ
گھر بیٹھے اب انسان اس سے
بل سارے آرام سے بھرے
اب تو ہر سو اس کی حکومت
نئے دور کی یہ ہے قوت

■

Nazima Parveen
2793, Pahari Bhojla
Delhi - 110006

شمیم اختر

نیند

بات سچّے کی میری مانو
نیند کی قیمت کیا ہے جانو
فون چلانا چھوڑو اب تم
نیند گنوانا چھوڑو اب تم
نیند سے پھرتی بھی ملتی ہے
نیند سے صحت بھی ملتی ہے
نیند نہ آئے جب راتوں میں
ورد کرو تم تب راتوں میں
فکر وغیرہ کرنا چھوڑو
نیند سے اب تم رشتہ جوڑو
جلد سے سو کھانا کھا کر
لوٹ نہ جائیں پریاں آ کر
اور طبیبوں کا کہنا ہے
وقت پہ اچھے سے سونا ہے
بید سے اختر رشتہ توڑو
گولی دوا کی عادت چھوڑو

■

Shamim Akhtar
5, PM Bustee, 4th Lane
Shibpur, Howrah-2 (West Bengal)
Mob.: 9836225704

عبدالناصر

کھٹی املی میٹھے آم

کھٹی املی میٹھے آم — پیتے ہوں شربت کے جام
بچوں پہ گرمی میں آ گئیں — چاہیں اس کو خاص و عام
ہر سرحد سے ہو آزاد — وقت سحر ہو یا کہ شام
یادیں پرانی بچپن کی — دل کو جو لیتی ہیں تھام

کھٹی املی میٹھے آم
پیتے ہوں شربت کے جام

آزادی وہ بچپن کی — ساتھ بزرگوں کا بھی کلام
کرکے کام بھلائی کے — ہم نے پائے خوب انعام
راہ دکھائی غیروں کو — سب سے ملا عزت اکرام
پند و نصیحت کی باتیں — یاد ہیں اب تک صبح و شام
شفقت پائی تھی جن سے — بھیجتا ہوں میں ان کو سلام

کھٹی املی میٹھے آم
پیتے ہوں شربت کے جام

آتا ہے جب ماہ رمضاں — مسجد سے ہوتا اعلان
رب کے حکم کی ہو تعمیل — جس نے بھیجا یہ قرآن
پڑھتے تراویح آؤ تم — تاکہ مکمل ہو ایمان
سن کے رب کا یہ فرمان — کرتے عجلت پیر و جوان
وقت سحر ہو یا افطار — سج جاتا ہے دستر خوان

کھٹی املی میٹھے آم
پیتے ہوں شربت کے جام

■

Dr. Abdul Nasir
C-632, Pocket-II
Janta DDA Flats
Jasola Vihar
New Delhi - 110025

چلو اسکول چلتے ہیں

چلو اسکول چلتے ہیں
پڑھائی کھل کے کرتے ہیں
کہ پورا سال گھر بیٹھے
بہت نقصان کر بیٹھے
کتابوں کی پڑھائی کا
بیاضوں کی لکھائی کا
بہانا پڑھ رہے تھے ہم
مگر اس میں نہیں تھا دم
گروپوں کو کریں جوائن
پڑھیں اب کورس آن لائن
مگر جی بھر نہیں پائے
پڑھائی کر نہیں پائے
کہ جو ہے بات اصلی میں
کہاں وہ بات نقلی میں
مگر اب شکر ہے رب کا
مناسب حال ہے سب کا
کہ اب باہر نکلتے ہیں
چلو اسکول چلتے ہیں

■

Shakeel Haneef
Sabir Pahalwan Road
Bel Bagh
Malegaon - 423203 (Maharashtra)
Mob.: 8087003919

شکیل حنیف

شکیل حنیف کا تعلق مہاراشٹر کے شہر مالیگاؤں سے ہے۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ مصنف، شاعر اور بلاگر ہیں۔ "ہمارا مالیگاؤں" کے عنوان سے کئی برسوں سے مستقل بلاگ لکھ رہے ہیں جس میں شہر کی اہم تاریخی و ثقافتی معلومات درج ہوتی ہیں۔ ان کے مضامین، افسانے اور نظمیں بھی مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بچوں کے لیے بھی کہانیاں لکھتے ہیں۔ "عکسِ دل" کے نام سے ان کا شعری مجموعہ زیرِ طبع ہے۔

محمد عبدالوہاب ابن مولانا انصار احمد معروفی

عالمی یوم انسانی خلائی پرواز

سوچتے ہی سوچتے انسان آخر ایک دن
اڑ گیا جا کر خلا میں جیسے ہو وہ کوئی جن
حوصلہ اس سے بڑھا اور ہمتیں اس سے بڑھیں
کوششیں انسان کی جب کامیاب ہوتی گئیں
زندگی کو ڈال کر خطرے میں وہ اوپر گئے
کامیابی لے کے وہ سائنس داں واپس ہوئے
یہ خلا میں ان کے جانے کا تھا پہلا تجربہ
دوسرے ملکوں کا بھی پھر راستہ کھلتا گیا
پہلے امریکہ نے لیکن جھنڈے گاڑے ہیں وہاں
روس نے پھر تیر لے کر کھینچ لی اپنی کماں
کوششیں ہوتی ہیں جب تو رائیگاں جاتی نہیں
بات یہ ہے تجربے کی، کوئی جذباتی نہیں
عزم جب ہوتے ہیں اونچے پھر وہ ڈر سکتا نہیں
سن کے وہ ناکامیوں کی بات مر سکتا نہیں
چاند پر راکٹ سے پہنچا اور اترا اس جگہ
گاڑ کر وہ اپنا جھنڈا خوب اچھلا اس جگہ
جانے کتنے دن سے اس پر کوششیں ہوتی رہیں
مختلف انداز سے سب کوششیں ہوتی رہیں
کتنے لوگوں نے اڑایا ان کے خوابوں کا مذاق
ان کی فکروں کا مذاق اور ان کے کاموں کا مذاق
ان کی ہمت ٹوٹی کیا، اور بھی بڑھتی گئی
جس قدر ان کو دبایا اور ہی چڑھتی گئی
ان کی وہ دیوانگی اور کام کرنے کا جنون
رنگ لائی ان کی جب محنت، ہوئے وہ پُرسکون

■

Mohammad Abdul Wa hab
Bahrwa, Koorthi
Jafarpoor - 275305
Distt.: Mau (UP)
Mob.: 9265350348

اظہر اختر

ننھی سی لڑکی

ڈراما

(سڑک کے کنارے بجلی کے کھمبے کے نیچے بہت سارے لوگ کسی شخص کو گھیرے کھڑے ہیں۔ اسٹیج کے دائیں طرف سے سلیم اور اس کا بوڑھا نوکر بخشی داخل ہوتے ہیں کہ بانسری کی لے شروع ہوتی ہے)

سلیم: بانسری کہاں بج رہی ہے بخشی؟

بخشی: شاید ادھر کوئی بانسری بجا رہا ہے اور لوگ شاید اسے ہی گھیرے کھڑے ہیں۔ ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔

(بانسری کی تانیں بلند ہوتی ہیں)

(بخشی اونچا ہو کر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے)۔

سلیم: کیا ہو رہا ہے بخشی؟

بخشی: کچھ نہیں میاں، ایک بوڑھا فقیر ہے وہ بانسری بجا رہا ہے اس کے ساتھ ایک ننھی سی لڑکی چپ بیٹھی ہے۔

سلیم: ننھی سی لڑکی؟

بخشی: ہاں۔

ننھی سی لڑکی کی آواز: اللہ کے نام پر ایک پیسہ دینا بابو۔ اللہ کے نام پر ایک پیسہ دینا۔ ہم بہت بھوکے ہیں۔ میں بھوکی ہوں۔ یہ اندھا فقیر بھوکا ہے۔ ہم دونوں بھوکے ہیں اللہ کے نام پر ایک پیسہ بابو۔

(بانسری بند ہو جاتی ہے اور لوگ جانے لگتے ہیں)

سلیم: یہ لوگ ہٹ ہٹ کر کیوں واپس جا رہے ہیں بخشی؟

بخشی: اور کیا کریں گے جب تک بانسری رہی لوگ سنتے رہے اب پیسہ کون دے؟

ننھی لڑکی: صاحب، بابو صاحب اندھے فقیر کو ایک پیسہ دیتے جانا۔ ہم سردی میں بھوک سے مر رہے ہیں بابو صاحب تمھارے گرم کپڑوں کا صدقہ ایک پیسہ دیتے جانا۔ ایک پیسہ۔

مجمع میں سے ایک لڑکا: بھیا کتنی اچھی بانسری بجا رہا تھا بڈھا کیسی پیاری طرزیں نکال رہا تھا۔

ساتھ والا آدمی: ہاں اندھا ہے مگر خوب بجاتا ہے۔

لڑکا: اسے ایک پیسہ دوں؟

ساتھ والا آدمی: نہیں نہیں چلو دیر ہو رہی ہے خبر ہے ابھی سینما کتنی دور ہے ان بکھیڑوں میں رہے تو بس آج تماشہ دیکھ چکے چلو۔

(بانسری پھر سے گونجنے لگتی ہے)

سلیم: وہ پھر سے بانسری بجا رہا ہے بخشی ذرا اس لڑکی کو دیکھنے دو۔ اپنے کندھے پر اٹھا لو مجھے۔

بخشی: آؤ (بخشی سلیم کو اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیتا ہے)

سلیم: اوہ کتنی چھوٹی لڑکی ہے۔ کیوں بخشی؟ اور اس بڈھے فقیر کی داڑھی کتنی سفید ہے یہ اندھا ہے بخشی؟

بخشی: ہاں بالکل اندھا ہے بے چارہ۔

سلیم: کتنی پیاری لڑکی ہے بخشی یہ اپنی طیبہ جیسی ہے کیوں؟ مگر اس کا کرتا تو بالکل پھٹا ہوا ہے وہ سردی سے کانپ رہی ہے۔

ننھی لڑکی: بابو لوگ، صاحب لوگ، ایک پیسہ دیتے جانا۔ ایک پیسہ ہم سردی سے کانپ رہے ہیں۔ بابو

صاحب آپ کے گرم کپڑوں کا صدقہ آپ کا صدقہ بابو صاحب ایک پیسہ دیتا بابو صاحب۔

ایک لڑکا: چاچا جی۔

آدمی: ہاں۔

وہی لڑکا: چاچا جی اسے اٹھنی دے دوں۔

آدمی: کچھ دیوانے ہوئے ہو کیا؟ تمھیں اٹھنی اس لیے دی تھی، چلو۔

وہی لڑکا: وہ کتنا۔۔۔ غریب ہے چاچا جی۔

آدمی: چلو چلو دنیا میں ایسے بدمعاش بہت ہیں تم کس کس کو اٹھنی دیتے پھرو گے۔

(بانسری بند ہوجاتی ہے)

سلیم: یہ آدمی کتنا برا ہے بخشی۔

سلیم: اندھے نے بانسری بند کردی ہے بخشی۔ اس نے اس آدمی کی بات سن لی ہے وہ لڑکی رو رہی ہے۔ بخشی اس آدمی نے بڑا برا سلوک کیا ہے۔ کیا یہ اندھا بدمعاش ہے؟ یہ بے چارہ بوڑھا اس کی سفید داڑھی تو بالکل دادا ابا جیسی ہے۔ بڈھا رو رہا ہے۔ اس کے آنسو داڑھی تک آگئے ہیں بخشی۔ ذرا مجھے اپنے کندھے سے اتار دو۔

(بخشی سلیم کو کندھے سے اتار دیتا ہے)

سلیم: (ننھی لڑکی کے قریب پہنچ کر) تمھارا کیا نام ہے؟ ڈرو نہیں تم ہمارے ساتھ چلوگی۔ کہو چلوگی؟

ننھی لڑکی: (سسکیاں لیتی ہوئی) نہیں۔

سلیم: ہمارے گھر چلو۔ میں تمھاری دوستی اپنی چھوٹی بہن طیبہ سے کرادوں گا۔ تم رو رہی ہو سب لوگ جاچکے ہیں۔ جانے دو۔ وہ بڑے برے لوگ تھے تم رو رہی ہو چلوگی ہمارے ساتھ؟

ننھی لڑکی: (سسکیاں لیتی جارہی ہے) اندھے فقیر کو ایک پیسہ دیتا بابو صاحب ایک پیسہ۔

سلیم: میری بات سنوگی تم۔ اچھا میں جاتا ہوں۔ لو۔ یہ لو۔ ہاتھ لاؤ اپنا (سلیم جیب میں کچھ ٹٹولتا ہے پھر دو روپے نکال کر ننھی لڑکی کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے)

بخشی: تم نے لڑکی کو کیا دے دیا میاں۔ دو دو روپے۔ یہ تو تم نے تماشا دیکھنے کے لیے رکھے تھے۔ پیسہ نہیں تھا تو مجھ سے لے لیتے۔ دوں؟

سلیم: نہیں نہیں رہنے دو۔ اس لڑکی کو دیکھ رہے ہو، بخشی، کتنی خوش ہے یہ۔

بخشی: ہاں خوش تو بہت ہے۔

سلیم: بہت خوش ہے بخشی بہت خوش ہے چلو آؤ گھر چلیں۔

بخشی: مگر سلیم میاں۔

سلیم: آؤ آؤ میں بھی بہت خوش ہوں۔ مجھے دو روپے کا کوئی غم نہیں میں کل طیبہ کے ساتھ تماشا دیکھنے نہیں جاؤں گا۔ تو اب صاحب کے بچوں کے ساتھ بھی نہیں گھوموں گا۔ میں نے تماشے کی چیزوں سے کہیں زیادہ انمول چیز خرید لی ہے۔ بڑی انمول آج کی شام میری سب سے اچھی شام ہے۔ آؤ گھر چلیں۔ ابا ہماری راہ دیکھتے ہوں گے۔ آؤ بخشی۔

(سلیم اور بخشی دوسری طرف چلے جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

■

ماخذ: بچوں کے ڈرامے، مصنف: اکبر قمر سنوی، طباعت: 2019،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

محمد حفیظ الدین

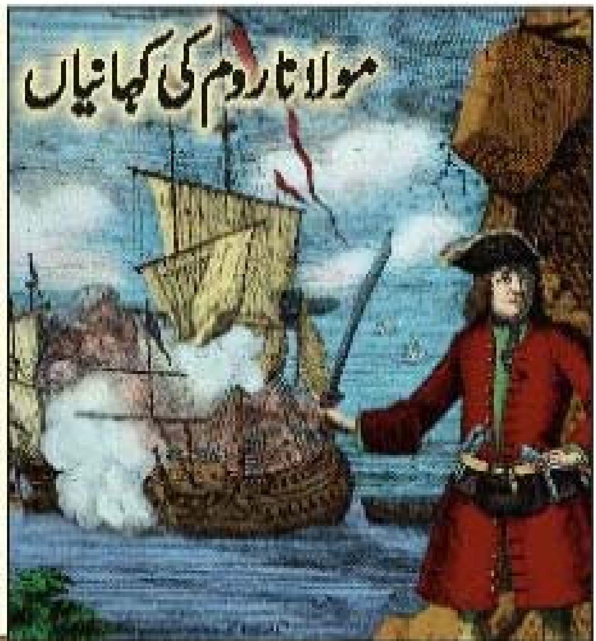

نحوی اور ملاح

ایک نحوی (علمِ نحو کا عالم) کشتی میں سوار ہوا اور گھمنڈ سے اپنا علم ظاہر کرنے لگا۔ بیچارے کشتی والے سے پوچھا "تم نے کچھ نحو کا علم بھی پڑھا ہے؟"

اس نے کہا "نہیں۔"

تو نحوی بولا "افسوس! تم نے اپنی آدھی زندگی بیکار کھو دی۔" ملاح کو یہ بات بہت بری لگی اور وہ شرمندہ ہو کر کشتی چلاتا رہا۔

تھوڑی دیر میں ایک طوفان اٹھا۔ اب کشتی والے نے نحوی سے پوچھا۔

"جناب تیرنا بھی جانتے ہیں؟"

اس نے کہا "بالکل نہیں۔"

کشتی والے نے کہا "پھر تو تم نے اپنی ساری عمر ضائع کر دی، پانی مردوں کو تو اپنے سر پر لیے پھرتا ہے، زندوں کو اگر تیرنا نہیں جانتے تو ڈبو دیتا ہے"

تم جو اپنے سوا ساری دنیا کو گدھا اور احمق سمجھتے ہو اب گدھے کی طرح برف پر مردہ پڑے رہو گے۔"

ایک بہرا، بیمار کے پاس

ایک بہرے کو اپنے دوست سے معلوم ہوا کہ اس کا پڑوسی بیمار ہے۔ سوچا پڑوسی کا بڑا حق ہوتا ہے۔ بہرے لیے ضروری ہے کہ اس کی خیریت پوچھنے کے لیے جاؤں، مگر بیماری سے بیچارا کمزور ہو گیا ہوگا۔ میں بہرا ہوں یوں بھی مشکل سے سن پاتا ہوں، اس کی کمزور آواز کیسے سن سکوں گا؟

اس نے یہ اسکیم سوچی کہ پہلے جا کر دعا سلام کے بعد

اس سے پوچھوں گا "تم اب کیسے ہو" وہ کہے گا۔ "اب بہتر ہوں" اس پر خدا کا شکر ادا کروں گا۔ پھر پوچھوں گا "آج کل کیا کھا رہے ہو" وہ شوربا یا دال کا پانی بتائے گا۔ میں کہوں گا خدا بچائے۔ پھر پوچھوں گا "کس حکیم کا علاج ہے" ظاہر ہے وہ کسی اچھے حکیم کا نام بتائے گا۔ میں کہوں گا اس کا قدم بڑا مبارک ہے۔ جس گھر میں جاتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

مجھے معلوم ہے جہاں وہ گیا ہے وہاں اس نے کام پورا کیا ہے۔'

یہ سب باتیں سوچ کر پڑوسی کی طرف چلا۔ پڑوسی بیمار تو تھا ہی۔ بہرے کو آتا دیکھ کر جھنجھلایا کہ اب یہ میرا دماغ چاٹے گا۔

بہرے نے سلام دعا کے بعد پوچھا۔ اب آپ کیسے ہیں؟ بیمار بولا "مر رہا ہوں۔"

بہرے نے اپنی سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق کہا "خدا کا شکر ہے۔" بیمار یہ سن کر چڑ گیا۔

پھر بہرے نے پوچھا "کیا کھایا آپ نے؟"

بیمار چلا کر بولا "زہر"

بہرا بولا "خدا پچائے اور پچائے۔" اب تو وہ اور بھی خفا ہوا۔

بہرے نے پھر پوچھا "کون سا حکیم آپ کے پاس آتا ہے؟"

اسے غصہ تو تھا کہا "عزرائیل" (جان نکالنے والا فرشتہ)۔

بہرا بولا۔ "اس کا بڑا مبارک قدم ہے۔ خوش ہو جاؤ اب تمھارا کام بن گیا۔"

بیمار جل بھن کر کباب ہو گیا۔

یہ کہہ سن کر بہرا رخصت ہوا۔ جی میں بہت خوش ہوا کہ میں نے اٹکل سے کیا خوب کام نکالا۔

بے سمجھی کا گھوڑا

ایک شخص نے چار آدمیوں کو ایک درم دیا، یہ سب الگ الگ ملکوں کے رہنے والے تھے۔ ان کی بولی جدا جدا تھی۔ انھوں نے سوچا کہ درم سے کچھ خرید کر بانٹ لیں۔ اب اس پر جھگڑا چلا کہ کیا خریدیں؟

ایرانی بولا،

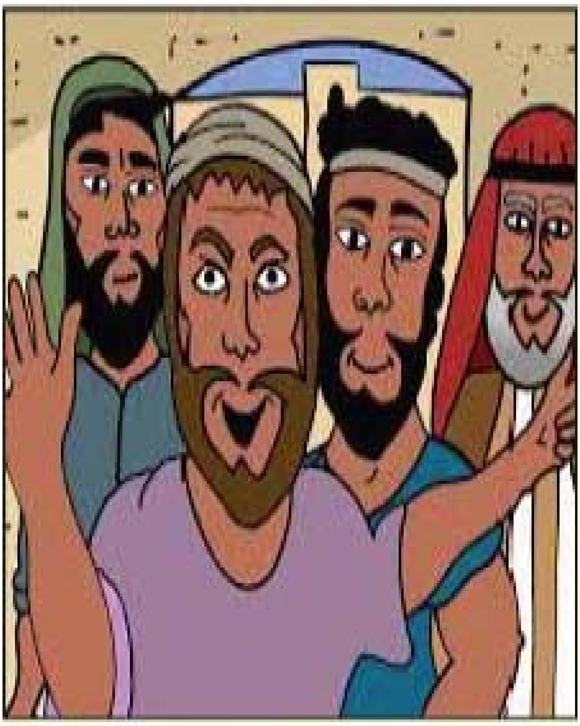

"انگور سے بہتر کیا چیز ہوگی۔"

عرب بولا،

"میں انگور بالکل پسند نہیں کرتا مجھے تو عنب چاہیے۔"

ترکی بولا،

"یہ دونوں نہیں۔ میں تو اوزم لوں گا۔"

رومی بولا۔ "یہ سب چھوڑو۔ استافل سب سے اچھے رہیں گے۔"

مگر کسی نے کسی کی نہ مانی۔ لڑائی بہت بڑھ گئی۔

سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے لیکن بولیاں جدا جدا تھیں۔ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ پا رہے تھے، ناسمجھی سے جھگڑ رہے تھے۔ اگر وہاں کوئی سب زبانوں کا جاننے والا ہوتا تو درم لے کر انگور خرید لاتا اور جھگڑا مٹ جاتا۔

■

ماخذ: مولانا روم کی کہانیاں، مصنف: محمد حفیظ الدین، تیسرا ایڈیشن: 1994، ناشر: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

کہانی

سلیم خان

روی راج کی کہانی

میں اور میرے عزیز دوست رئیس سر روزانہ ہوٹل گرین پارک جایا کرتے تھے۔ یہ ہوٹل سورت، برہان پور روڈ پر انجینئرنگ کالج کے قریب خوب صورت قدرتی ماحول میں واقع تھا۔ ہوٹل کے سبز کشادہ لان میں الگ الگ طرح کی میز، کرسیاں اور آرام دہ بنچ رکھے ہوئے تھے۔ یہاں گاہک اپنی مرضی سے چاہے جب تک بیٹھ سکتے تھے۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ ہوٹل انجینئرنگ کالج کے طلبہ کا اڈا تھا۔ کولڈ ڈرنک، چائے، ناشتہ کرنے کے لیے وہ سب یہیں آیا کرتے تھے۔

ایک روز ہم ہوٹل پہنچے تو لان گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔ صرف ایک میز خالی تھی۔ جس کے اطراف تین کرسیاں تھیں۔ تیز قدموں سے بڑھ کر ہم نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ہمیں دیکھتے ہی ویٹر معمول کے مطابق چائے اور پانی لے آیا۔ چائے پینے کے بعد ہم لوگ ملک میں جاری کسان آندولن پر بات کر رہے تھے۔ ایک خوب صورت نوجوان ہماری طرف دیکھتے ہوئے قریب سے گزرا۔ لمبا قد، کسا ہوا بدن، گردن تک براؤن گھنی زلفیں، جینس پینٹ، ٹی شرٹ میں اس کی شخصیت بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ وہ شاید بیٹھنے کے لیے جگہ تلاش کر رہا تھا۔ جب وہ لوٹا تو رئیس سر نے اسے ڈرامائی انداز میں مخاطب کیا۔ "آپ یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔؟" "نہیں نہیں سر، آپ لوگ ڈسٹرب ہوں گے۔" نوجوان نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ "ارے بھائی ہم لوگ کوئی خاص بات نہیں کر رہے ہیں، بیٹھ جائیے فی الحال کوئی کرسی خالی نہیں ہے۔" میں نے اس سے اپنائیت سے کہا۔ اور شکریہ سر کہتے ہوئے نوجوان ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے آپ کا۔؟" رئیس سر حسبِ عادت شروع ہو گئے۔ جی ہاں، سر کو تو موقع ملنا چاہیے۔ وہ ملاقاتی کا بایو ڈاٹا پوچھے بغیر نہیں رہتے۔

"میرا نام روی ہے، روی راج۔"

"اوہو، آپ روی مادھو مکھی۔ اس فقیر کو لوگ رئیس کہتے ہیں۔" نوجوان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ کھل گئی۔ سر نے مزید اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ہیں سلیم خان، فکشن رائٹر ہیں۔ ہم دونوں ریٹائرڈ ٹیچر ہیں۔" نوجوان نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا۔

"یہ تو میرا سوبھاگیہ ہے، جو مجھے آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا۔"

اسی اثنا میں رئیس سر نے ویٹر کو چائے کا آرڈر دیا تو نوجوان نے انھیں روکتے ہوئے کہا: "نہیں سر، چائے تو میں پلاؤں گا آپ لوگوں کو۔" "روی راج ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ ہمارے مہمان ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "نہیں نہیں سر، یہ میرا فرض بنتا ہے کہ آپ ایسے بزرگوں کی سیوا کروں اور نوجوان کے اصرار پر رئیس سر فوراً راضی ہو گئے کیونکہ چائے تو جناب کی بڑی کمزوری ہے۔

چائے پینے کے بعد رئیس سر نے روی سے پوچھا: "میرا خیال ہے آپ انجینئرنگ کالج...!؟"

"جی سر، سول میں بی ای کا فائنل ایئر ہے۔ میں مدھیہ پردیش ضلع بھوپال کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔" روی نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے ہی بتا دیا۔

"اچھا، اسی لیے تو آپ اتنی صاف ہندی بول رہے ہیں۔"

"جی سر، ہمارے یہاں سبھی ہندی یا اردو بولتے ہیں۔"

اس بات پر رئیس سر نے اسے اپنے کچھ بہترین اشعار سنائے۔ شاعری سن کر روی بہت خوش ہوا اور اس نے مناسب داد بھی دی۔ اس کے بعد وہ ہم سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔

روی اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ ہوٹل گرین پارک آیا کرتا اور ہم سے آنکھیں چار ہوتے ہی ہاتھ اٹھا کر مسکراتے ہوئے ہمیں نمستے کیا کرتا۔ یا کبھی چلتے چلتے مصافحہ بھی کر لیا کرتا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے لیے خاموشی سے چائے بھجوا دیتا اور اس کے اخلاص کی خوشبو ہمارے دلوں کو مہکا دیتی۔ لیکن ہم کبھی اس کی چائے پی لیتے اور کبھی معذرت کر لیا کرتے تھے۔

پھر یوں ہوا کہ دس بارہ روز تک روی ہوٹل میں نظر نہیں آیا۔ "کیا وجہ ہو سکتی ہے؟!" ہم سوچ رہے تھے کہ اس کے کسی ساتھی سے اس کی خیریت پوچھی جائے لیکن اسی وقت اچانک اسے ہوٹل میں آتے دیکھ کر ہماری آنکھیں چمک اٹھیں۔ رئیس سر نے اسے بڑی بے تابی سے آواز دی۔ "روی راج...!!" روی تیز قدموں سے ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ "ارے بھائی کہاں غائب ہو گئے تھے؟" "ہمیں آپ کی بے حد کمی محسوس ہو رہی تھی۔" اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا: "ماں کی طبیعت خراب تھی، ان سے ملنے گھر گیا تھا۔" "اوہ" ہم نے افسوس کا اظہار کیا۔ "اب طبیعت کیسی ہے؟" میں نے اپنائیت سے پوچھا۔

"اب ٹھیک ہے سر۔"

"بھگوان انھیں سدا اچھا رکھے۔"

گھر میں اور کون کون ہیں؟" رئیس سر نے دریافت کیا۔

بس ماں اور دو چھوٹے بھائی بہن ہیں۔ پتا جی کا دیہانت ہو چکا ہے، ماں محنت مزدوری کر کے گھر چلاتی ہیں۔" کہتے ہوئے روی کی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "ہمت رکھیے، آپ پڑھ رہے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چائے منگوا کر اس موضوع کو بدل دیا۔ روی کے جانے کے بعد ہم اس کے گھریلو حالات اور تعلیمی اخراجات پر کچھ دیر بات کرتے رہے۔

ایک روز ہم جب ہوٹل پہنچے تو روی اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہنستے ہنساتے دکھائی دیا۔اسے خوش دیکھ کر ہمیں بہت اچھا لگا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ فوراً اٹھا اور ویٹر کو اشارہ کر کے ہمارے پاس آبیٹھا۔"کیا بات ہے روی آج آپ سب لوگ بہت خوش ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔"ہاں سر آج ہمارے تھرڈ ایئر امتحان کا رزلٹ آیا ہے اور آپ لوگوں کے آشیرواد سے میں کالج میں فرسٹ آیا ہوں۔" "واہ واہ، یہ تو واقعی بڑی خوشی کی بات ہے۔"ہم دونوں نے ایک ساتھ کہا اور ہاتھ ملا کر اسے گرم جوشی سے مبارک باد پیش کی۔ اس سے پہلے کے ہم اس کا منہ میٹھا کرتے ویٹر دو پاکوڑی اور ملک کیک لے آیا۔

"لیجیے سر منہ میٹھا کیجیے۔"

ہم اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے تو اس نے کہا۔"ایسا لگتا ہے یہ آپ ہی نے منگوایا ہے۔" اس کے خیالات اور ذہانت دیکھ کر ہماری طبیعت جھوم اٹھی۔وہ ہمارے ساتھ ناشتہ، چائے لے کر اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔

دیوالی کی چھٹیوں میں کالج کے سب طلبہ اپنے اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ ہمارا ہوٹل جانے کا معمول بھی کچھ کم ہو گیا تھا۔ ہم اکثر قریب کے ہوٹل یا پارک میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ مگر جب کوئی خاص بات ہوتی مطلب رئیس سر کو اگر کوئی تازہ غزل سنانی ہو یا مجھے کسی کہانی پر بات کرنی ہوتی۔ ہم ہوٹل گرین پارک ہی جایا کرتے اور اس وقت ہمیں روی راج کا خیال آجاتا اس کا خلوص، اس کا مسکراتا چہرہ ہماری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا۔ ہمیں ایسا لگتا جیسے وہ ابھی آئے گا اور ہم سے ہاتھ ملا کر ہمارے پاس بیٹھ جائے گا۔

ایک روز میں مورننگ واک پر وقت سے پہلے نکل گیا تھا۔ سردی معمول سے کچھ زیادہ تھی، فضا میں ہلکا ہلکا کہرا پھیلا ہوا تھا۔ میں بس اسٹینڈ کے سامنے کی سڑک سے گزر رہا تھا کہ مجھے ٹی اسٹال پر ایک نوجوان دکھائی دیا۔ وہ قد وقامت اور چہرے سے بالکل روی لگ رہا تھا۔ قریب جا کر میں نے اسے آہستہ سے مخاطب کیا۔"روی راج۔؟؟"

جی سر، آپ۔!" اس نے فوراً آرڈر کیا۔"ایک چائے اور دیجیے۔!" میں اسے سر تا پا دیکھتا ہی رہ گیا۔ چائے پینے کے بعد میں نے حیرت سے پوچھا۔"روی تم گھر نہیں گئے، اور یہ نائٹ پینٹ، ٹی شرٹ۔ سر پہ رومال، گلے میں سیٹی اور ہاتھ میں ٹارچ۔ یہ سب کیا ہے۔؟؟" اس نے ہلکے سے مسکرا کر جواب دیا۔"سر میں اس پروفیسر کالونی میں واچ مین کی ڈیوٹی کرتا ہوں۔ کالونی کی سوسائٹی سے ماہانہ سات ہزار روپے مل جاتے ہیں۔ اپنی ضرورتیں پوری کر کے بچی ہوئی رقم ماں کو بھیج دیتا ہوں۔ چلوں سر فریش ہو کر مجھے ٹیوشن کلاس جانا ہے۔" میں نے ہاتھ ملا کر اس کی حوصلہ افزائی کی"، شاباش روی آپ جیسے نوجوان ہی اپنے دیس کا نام روشن کرتے ہیں۔"

"بس، آپ کا آشیرواد چاہیے سر۔"

اور وہ تیز قدموں سے اپنے ہوسٹل کی طرف چل دیا۔

میں آہستہ قدموں سے چل رہا تھا اور روی راج آگے بہت آگے اپنی منزل کی طرف تیزی سے بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔!!

کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

بیداریاں، بلند نصیبوں کو ہیں نصیب
میں نے کبھی ستاری نہیں، آسماں کی نیند

■

Mr. Saleem Khan
Millat Nagar Faizpur
Distt.: Jalgoan. 425503(M.S)
Mob.: 9730573897

امتحان

انیس رشید خان

ڈاکٹر انیس رشید خان (ایم ایس سی پی ایچ ڈی) کا تعلق مہاراشٹر کے شہر امراوتی سے ہے۔ سائنس جونیئر کالج امراوتی میں فزکس لیکچرر کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ فزکس وژن کے نام سے ان کا یوٹیوب چینل بھی ہے جس کے ذریعے ہزاروں طلبا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بچوں کے لیے اردو رسائل و اخبارات میں ان کے سائنسی مضامین مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مہاراشٹر میں مقیم معروف سماجی کارکن مہیش ہردکر کی آپ بیتی کا انھوں نے 'ستاروں سے آگے' کے نام سے مراٹھی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے جو خاصا مقبول ہوا۔

سورج کی پہلی کرن جب انڈے پر پڑی تو اس کے اندر دودھیا اُجالا پھیل گیا۔ اس انڈے کے اندر موجود چوزے نے اپنی جگہ پڑے پڑے ہلکی سی جنبش کی۔ اس کی پتلی سی گردن پر بڑا سا سر بڑا ہی نامناسب لگ رہا تھا۔ وہ اپنی گردن کو موڑ کر سر کو پیٹھ پر رکھے ہوئے تھا۔ جیسے جیسے سورج اوپر اُٹھنے لگا، انڈے کے اندر پھیلا ہوا دودھیا اُجالا بڑھتا چلا گیا۔ چوزے نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اسے یہ دودھیا اُجالا بہت اچھا لگتا تھا۔ اس نے دھیرے سے اپنا سر اُٹھایا اور وہیں ایک چھوٹی سی انگڑائی لی اور پھر سیدھے بیٹھ کر 'الحمدللہ' کہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی چونچ سے انڈے کے خول پر چھوٹی سی ضربیں لگائیں جس کی وجہ سے... 'ٹک ٹک' کی آوازیں پیدا ہونے لگیں۔

انڈے کے قریب بیٹھی ہوئی 'امی عقاب' کافی دیر سے انڈے کو دیکھ رہی تھیں۔ جیسے ہی انڈے کے اندر سے ٹک ٹک کی آواز آئی وہ فوراً انڈے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انھوں نے اپنی چونچ کو انڈے کے قریب لا کر دھیرے سے آواز دی

—"اٹھ گئے ہو کیا بیٹا—؟"..... امی کی آواز سنتے ہی چوزے میں گویا نئی توانائی آ گئی تھی۔ "ہاں امی!...ابھی ابھی اٹھا ہوں..... امی آج تیسرا دن ہے ناں؟.....آج تو انڈے کا یہ سخت خول ٹوٹ جائے گا ناں.....؟" چوزے نے ایک ہی سانس میں اپنی امی سے کئی سوالات کر لیے۔ اس کی امی نے اسے بتایا تھا کہ عام طور پر جب انڈے کے اندر چوزہ مکمل ہو جاتا ہے تب اسے اپنے انڈے کا خول توڑنے کے لیے تین دن درکار ہوتے ہیں۔ اسی لیے چوزے نے امی سے یہ سوال پوچھا تھا کہ آج تیسرا دن ہے یعنی آج اس انڈے کے خول کو توڑ کر باہر آنے کا دن ہے۔ چوزے کو انڈے کے باہر نکلنے کی بڑی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ باہر کی رنگ برنگی دُنیا کو دیکھنا چاہتا تھا۔

امی نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا....."ہاں بیٹا.....تم اس خول کو توڑنے کی کوشش کرتے رہو.....آج انشاء اللہ یہ خول تم توڑ ہی دو گے اور باہر کی دُنیا میں آ جاؤ گے.....گھبرانے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے.....تمھارے امی اور ابو... دونوں ہمیشہ تمھارے ساتھ ہی ہیں بیٹا.....بس تم اپنا کام لگاتار کرتے چلے جاؤ.....ٹھیک ہے...؟" یہ تمام باتیں سن کر چوزے میں ایک نئی ہمت اور جوش آ گیا تھا۔ اس نے پوچھا..."ابو کہاں ہیں؟.....ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی..." امی نے کہا..."تمھارے ابو ابھی ابھی ناشتے کا انتظام کرنے کے لیے گئے ہیں.....بس ابھی کچھ دیر ہی میں آ جائیں گے۔"

امی اپنے گھونسلے سے تھوڑے فاصلے پر ہو کر بیٹھ گئی اور چاروں طرف تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ ہر وقت چوکنا رہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ جس نیم کے گھنے پیڑ کی اونچائی اوپری شاخوں پر ان کا گھونسلا بنا ہوا تھا اسی پیڑ کے نیچے ایک بڑے سے کوبرا سانپ کا بل بنا ہوا تھا۔ اکثر اوقات وہ کوبرا سانپ اپنے بل سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر گھومتا اور اپنی غذا کا انتظام ہو جانے کے بعد واپس اپنے بل میں گھس جاتا تھا۔ امی کو سب سے زیادہ خطرہ اسی سانپ سے تھا، اسی لیے وہ ہمیشہ چوکنا رہتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں 'ابو عقاب' دور سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ انھوں نے اپنے پنجوں میں کوئی چھوٹا سا جانور پکڑا ہوا تھا۔ انھوں نے گھونسلے کے قریب اس جانور کی لاش کو ڈال دیا اور امی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے..."آپ ناشتہ کر لو.....میں اُدھر ہی ناشتہ کر چکا ہوں..." امی نے گردن ہلائی اور "ٹھیک ہے..." کہہ کر ناشتہ کرنے لگی۔ اس دوران ابو گھونسلے میں انڈے کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ انڈے کے اندر سے ٹک ٹک کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ابو کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ انھوں نے اپنی چونچ انڈے کے قریب لے جا کر آواز دی...."بیٹا شیرو!... اٹھ گئے؟...اور اپنا کام بھی شروع کر دیا...؟" چوزے نے اپنے ابو کی آواز سنی تو اسے بڑا اطمینان محسوس ہوا۔ ابو ہمیشہ اسے لاڈ سے 'شیرو' کہہ کر بلاتے تھے۔ اسے یہ بڑا اچھا لگتا تھا۔ اس نے بڑی پُر امید آواز میں ابو کو جواب دیا....."ہاں ابو!...ابھی ابھی اٹھا ہوں..... ابو!...آج تیسرا دن ہے...آج تو میں اس انڈے کے باہر آ جاؤں گا ناں؟" اس کی اس بات کو ابو نے بڑے غور سے سنا۔ وہ انڈے کے مزید قریب چلے گئے اور اپنی چونچ انڈے کے قریب لے جا کر کہنے لگے..."ہاں بیٹا.....تم اپنی کوشش جاری رکھو...آج انشاء اللہ تم انڈے کے خول کو توڑ ہی دو گے اور اس سے آزاد ہو جاؤ گے.....بس تم اپنی کوشش جاری رکھو....."

ابو کی باتیں سن کر چوزے میں مزید توانائی آ گئی تھی اس نے انڈے کے خول پر چونچ سے ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ لیکن ہر ضرب کے بعد چوزے کو ایسا لگتا جیسے وہ خول لوہے کا بنا ہوا ہو۔ اس خول پر کوئی اثر ہی نہیں پڑ رہا تھا لیکن چوزے

نے ہار نہیں مانی ۔۔۔ وہ لگاتار انڈے کے اس سخت خول پر ضربیں لگاتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوپہر کا وقت آ گیا۔ ابو کو کھانے کا انتظام کرنے کے لیے باہر جانا تھا، لیکن وہ فکر مندی سے بار بار نیچے سانپ کے بل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سانپ کے نکلنے کا وقت ہو چکا تھا۔ اسی لیے ابو اس وقت کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ امی اور چوزے کی حفاظت کرنا ان کی اہم ذمہ داری تھی۔ چند لمحوں بعد سانپ اپنے بل سے باہر نکلا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا۔ اسے عقاب کے انڈے کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی پیڑ پر چڑھنے کی کوشش کی، ابو نے اس کی طرف جھپٹ لگا دی۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسی لیے فوراً واپس اپنے بل میں جا گھسا۔ اب وہ ایک آدھ گھنٹے تک باہر آنے والا نہیں تھا۔ اسی لیے ابو نے واپس آ کر امی کو بتایا کہ وہ نزدیک پاس ہی میں شکار کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ چوکنا رہیے۔ انڈے کے اندر صبح سے ابھی تک لگاتار ضربیں لگاتے لگاتے چوزہ اب کافی تھک چکا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر آرام کرنے کی خاطر اپنا سر پیٹ پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چاروں طرف دوپہر کی گرمی کی وجہ سے گرم ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ امی نہایت چوکنا آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ پتوں کی ہلکی سی بھی سرسراہٹ پر وہ بالکل محتاط ہو جاتیں۔ ان کی نظریں بار بار سانپ کے بل کی طرف اٹھتی تھیں کیوں کہ وہ ان کا کھلا دشمن تھا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد چوزے نے اپنا سر اٹھایا۔ آج صبح جب اس نے اپنا کام شروع کیا تھا تب اسے یقین تھا کہ دوپہر سے پہلے وہ انڈے کے اس خول کو توڑ دے گا اور باہر کی رنگین دنیا میں آ جائے گا۔ لیکن اب دوپہر بھی ڈھل چکی تھی۔ وہ مایوس ہونے لگا تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنی چونچ انڈے کے خول پر ماری۔ انڈے میں سے کھٹ کھٹ کی آواز آتے ہی امی فوراً اس کے قریب آ گئیں اور اپنی چونچ انڈے کے قریب لے جا کر پوچھنے لگی... "بیٹا! تم نے دوبارہ سے اپنا کام شروع کر دیا؟ ... کچھ دیر اور آرام کر لیتے!" امی کی آواز سن کر چوزہ بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے کہا... "امی! ... آج تیسرا دن بھی تقریباً گزر گیا ہے۔ لیکن ابھی تک اس انڈے پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ امی اب میں بہت تھک گیا ہوں .... آپ میری مدد کیجیے نا .... اگر آپ اس انڈے کو باہر سے ہی توڑ دیں تو میں ابھی باہر آ سکتا ہوں... آپ اس انڈے کو خود ہی کیوں نہیں توڑ دیتیں؟ .... آپ ہی اسے توڑ دو... اب یہ مجھ سے نہیں ٹوٹ رہا...!" چوزے کی ان تمام باتوں کو سنتے ہوئے امی کے چہرے پر گہرے تفکرات چھا گئے تھے۔ امی نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا... "دیکھو بیٹا! ... یہ تمہارا امتحان ہے۔ تمہیں خود ہی اس انڈے کو توڑنا پڑے گا .... جب تم اس انڈے کو ضربیں لگاتے ہو نا... تب تمہارے جسم میں طاقت پیدا ہوتی ہے ... اس سے تمہاری توانائی بڑھتی ہے .... اور زندگی گزارنے کے لیے ضروری صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے......" امی کی یہ تمام باتیں سننے میں تو اچھی لگ رہی تھیں لیکن ان کا مطلب اسے بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بڑی اکتاہٹ کے ساتھ کہا... "لیکن امی! .... میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی ہے، یہ انڈے کا خول اتنا مضبوط ہے کہ اسے توڑنا میرے بس کی بات نہیں ہے... اگر آپ اسے نہیں توڑیں گی تو ... مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں اس انڈے کے اندر دم گھٹنے کی وجہ سے مر ہی نا جاؤں!" ..... چوزے کی اس بات نے امی کو بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ انھوں نے انڈے کے بہت قریب جا کر نہایت ہی پیار بھرے لہجے میں کہا... "دیکھو بیٹا! .... ایسی باتیں مت کرو .... یہ

تمہاری زندگی کے لیے۔۔۔ تمہاری عظمت کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے کہ تم اس امتحان میں خود اپنی قابلیت سے کامیابی حاصل کرو۔۔۔۔ اگر اس انڈے کے خول کو میں نے باہر سے توڑ دیا۔۔۔۔ تو تمہارے اندر اتنی توانائی کبھی بھی پیدا نہیں ہوگی جو تمہیں آسمان کی بلندیوں تک لے جائے۔ ۔۔۔ دیکھو بیٹا!۔۔۔ یاد رکھو ہم عقاب ہیں!۔۔۔۔ ہماری یہ شان نہیں ہے کہ ہم مُردار کھائیں۔۔۔۔ ہم اونچی اُڑان اُڑنے والے پرندے ہیں۔۔۔ اور۔۔۔۔ آسمان کی بلندیوں میں اونچے اُڑنے کے لیے، ایک باوقار اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارے اندر بہت زیادہ توانائی ہو، بہت زیادہ طاقت ہو۔۔۔۔ اور یہ سب اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے۔ جب تم اس امتحان میں خود اپنی صلاحیت سے کامیاب ہو کر دکھاؤ۔۔۔۔ سمجھے؟" امی نے اسے سمجھایا۔ اب چوزے کو یہ بات تو سمجھ میں آ گئی تھی کہ اسے انڈے کو خود ہی توڑنا پڑے گا۔ اس کی امی باہر سے یہ انڈا توڑنے والی نہیں ہیں!۔۔۔۔ چوزے نے خاموشی اختیار کر لی۔ گھونسلے کے قریب بیٹھی امی اب پہلے سے بھی زیادہ مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ابو ایک خرگوش کا شکار کر کے واپس آ گئے۔ ابو گھونسلے میں ہی بیٹھ گئے اور امی کو کھانا کھانے کے لیے کہہ دیا۔ ابو کی نظریں انڈے پر تھیں۔ سورج کی ترچھی شعاعیں انڈے پر کچھ اس طرح سے پڑ رہی تھیں کہ چوزے کا عکس صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابو بڑے غور سے اسے دیکھتے رہے۔ انھوں نے ایک خاص بات محسوس کی اور چونک کر انڈے کے قریب اپنی چونچ لا کر کہنے لگے۔۔۔۔ "بیٹا تم انڈے میں چاروں طرف چونچیں کیوں مار رہے ہو؟۔۔۔ اس طرح سے تو تمہاری توانائی اور وقت دونوں ضائع ہوتے رہیں گے!۔۔۔۔ تم کسی ایک ہی نقطہ پر ضربیں لگاؤ۔۔۔۔ سمجھے؟"۔۔۔۔ ابو کی یہ بات بالکل سچ تھی۔ چوزہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ اتنی چھوٹی سی بات خود اس کے دماغ میں پہلے کیوں نہیں آئی تھی؟ پچھلے دو دنوں سے وہ انڈے میں چاروں طرف کہیں بھی ضربیں لگا رہا تھا، اسی لیے تو انڈے کے خول میں ابھی تک کہیں بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ابو۔۔۔۔!" اس نے نہایت ہی کمزور قسم کی آواز میں کہا تھا۔

"ہوں۔۔۔۔" کہہ کر ابو خاموش ہو گئے۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اپنی چونچ انڈے کے قریب لے جا کر دھیرے سے کہا:

"بیٹا!۔۔۔ دیکھو میں باہر سے انڈے پر ایک نقطہ۔۔۔۔ ایک نشان بنا دیتا ہوں۔۔۔ تم اسی ایک نقطے پر ضربیں لگانا۔۔۔۔ جب یہ آسانی سے ٹوٹ جائے گا"

چوزے نے چونک کر کہا۔۔۔۔ "نہیں۔۔۔۔ ابو نہیں!۔۔۔ آپ باہر سے کوئی نشان نہ لگائیں۔۔۔۔ جب مجھے خود ہی ضربیں لگانی ہیں تو میں میرے حساب سے وہ نقطہ خود ہی چنتا ہوں۔۔۔ وہ میرے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔۔۔۔!"

چوزے کی اس بات پر ابو مسکرا دیے۔ "ٹھیک ہے بیٹا!" کہہ کر انھوں نے امی کی طرف دیکھا۔ لیکن امی کے چہرے پر موجود سنجیدگی کو محسوس کر کے انھوں نے ان سے پوچھا۔۔۔۔ "کیا بات ہے؟۔۔۔۔ اتنی سنجیدہ کیوں ہو گئی ہو۔۔۔؟"

امی نے کچھ سوچ کر کہا۔۔۔۔ "ابھی آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے اپنا چوزہ کہہ رہا تھا کہ میں باہر سے اس انڈے کو توڑ دوں۔۔۔ بہت پریشان ہو رہا ہے وہ۔۔۔!"

"یہ تو بہت غلط بات ہے۔۔۔!" ابو نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔ پھر امی کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگے۔۔۔۔ "آپ نے کیا کہا اس سے؟"

"میں نے اسے سمجھایا کہ یہ مناسب بات نہیں ہے۔ اس امتحان سے اسے خود ہی گزرنا پڑے گا.... اگر ہم لوگ اسے باہر سے مدد کریں گے تو وہ اس انڈے سے تو آسانی سے باہر آجائے گا لیکن زندگی بھر کے لیے اپاہج ہو جائے گا..." امی نے نہایت افسردہ لہجہ میں کہا تھا۔

"آپ نے بالکل صحیح کہا ہے.... اس امتحان سے اسے خود ہی گزرنا ہوگا.... اگر اس کو ایک کامیاب عقاب بننا ہے تو محنت کرنا پڑے گی.... ہم اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں سے اپاہج کیسے بنا سکتے ہیں.... ؟" ابو نے نہایت فکر انگیز انداز میں کہا تھا۔ ان کی نظریں اس انڈے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پھر سے انڈے کے قریب گئے اور دھیرے سے اپنے بچے کو آواز دی.... "دیکھو بیٹا!... جب ہم اس انڈے کے خول کو اندر سے توڑنے کے لیے جو جدوجہد کرتے ہیں نا.... اس کی وجہ سے ہمارے جسم میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔ اس توانائی کی وجہ سے ہم اونچی اونچی اڑانیں بھر سکتے ہیں۔ تم خود ہی سوچو ....کیا تم زندگی بھر کے لیے اپاہج بننا پسند کرتے ہو؟...."

"نہیں ابو.... بالکل نہیں..... میں اس انڈے کے اندر رہ کر مر جانا پسند کروں گا۔ لیکن اپاہجوں کی زندگی مجھے نہیں چاہیے... میں ایک بار پھر کوشش کرتا ہوں... ان شاء اللہ اب میں کامیاب ہو ہی جاؤں گا..." چوزے کی ان تمام باتوں کو سن کر امی اور ابو دونوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ انھوں نے گردن اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اولاد کی کامیابی کے لیے دعا مانگنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے سورج غروب ہو گیا۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ امی گھونسلے کے اندر انڈے کے اوپر بیٹھ گئیں اور اسے سہلانے لگی تھیں۔ قریب ہی ابو بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو احساس ہو گیا تھا کہ ان کا بچہ کچھ کمزور ہے

ورنہ تین دنوں میں انڈے کا ٹوٹنا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اندھیرا چھاتے ہی چوزے کو نیند آگئی۔ وہ آج کافی تھک بھی گیا تھا۔ رات بھر امی اور ابو باری باری سے جاگ کر پہرے داری کرتے رہے۔ ان دونوں کو ڈر تھا کہ کہیں ان کا کھلا دشمن سانپ رات کے اندھیرے میں حملہ نہ کر دے۔ رات گزرتی چلی گئی۔ رات کے تیسرے پہر سانپ نے ایک بار باہر نکل کر دیکھا لیکن عقاب کو جاگتا دیکھ کر اس نے وہاں پر چڑھنے کی ہمت نہیں کی اور واپس اپنے بل کے اندر چلا گیا۔

نئی صبح ہوئی۔ سورج کی کرنوں نے انڈے کے اندر ایک دودھیا اُجالا بھر دیا۔ چوزے نے انگڑائی لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ آج اس کی گردن میں کافی مضبوطی آگئی ہے۔ آج بہت زیادہ توانائی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس نقطہ کی طرف دیکھا جسے اس نے کل ضربیں مار کر تیار کیا تھا۔ اس نے اٹھ کر اسی نقطے پر پوری طاقت سے ضرب لگائی۔ اس وقت اس کی خوشی کی انتہا ہو گئی

جب اس نے دیکھا کہ وہ نقطہ پھوٹ چکا ہے!.... وہاں ایک چھوٹا سا سوراخ بن گیا تھا۔ اس سوراخ سے اندر آنے والی روشنی کی کرن بڑی سہانی لگ رہی تھی۔ باہر بیٹھے امی اور ابو.... دونوں اس خوشگوار عمل کو دیکھ رہے تھے۔ چوزے نے اسی مقام پر دوبارہ سے ضرب لگائی۔ اب انڈے کے خول میں وہاں ایک دراڑ پیدا ہو گئی تھی۔ اگلی دو تین ضربوں میں انڈا ٹوٹ چکا تھا۔ انڈے کے ٹوٹتے ہی چوزے نے باہر آ کر دیکھا کہ اس کے امی اور ابو دونوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے۔ ان دونوں نے اسے پیار سے گلے لگا لیا۔ وہ اپنے چوزے پر بہت فخر محسوس کر رہے تھے۔

آخرکار ان کے چوزے نے امتحان میں کامیابی حاصل کر ہی لی تھی۔

اب وہ اونچی اُڑان کے لائق بن گیا تھا۔

کہانی سے حاصل ہونے والا سبق:

جو بچے اپنے امتحان کی تیاری خود کرتے ہیں اور اپنی قابلیت کی بنیاد پر امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، وہ زندگی میں بہت بلندیوں تک پہنچتے ہیں۔ لیکن جو بچے اپنے امتحان میں دوسروں کا سہارا لیتے ہیں اور دوسروں کی مدد سے کامیاب ہوتے ہیں، وہ زندگی میں کوئی مقام نہیں بنا سکتے۔ وہ زندگی بھر کے لیے دوسروں کے محتاج بن جاتے ہیں۔

■

Dr. Aneus Raaheed Khan
Pairadize Colony
Walgaon Road
Amravati-444601 (Maharashtra)
Mob.: 9421740793

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا کا سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.......................................تاریخ.......................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ بچوں کی دنیا ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

E-mail:sales@ncpul.in, 011-26108159:فیکس 011-26109746:فون

دستخط

تتلی رانی

سید عبداللہ ہاشمی

سید عبداللہ ہاشمی (بی ایس سی) کا تعلق ہزاری باغ جھارکھنڈ سے ہے۔ اے آئی جی (رجسٹریشن) بھی رہ چکے ہیں۔ عمدہ شعری و ادبی ذوق کے حامل ہیں۔ اخبارات و رسائل میں تنقیدی مضامین اور بچوں کے لیے کہانیاں اور نظمیں لکھتے رہتے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں کہکشاں، علم کا ساگر، مشک و عنبر، لعل و گہر (شعری مجموعے) اور مضامین کا مجموعہ نقش و نگار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے فارسی شعرا کے تذکرے پر مشتمل ایک کتاب فارسی نامہ بھی تالیف کی ہے۔ معروف فارسی شاعر عمر خیام کی رباعیوں کا اردو اور انگریزی منظوم ترجمہ 'کلام خیام' کے نام سے کر چکے ہیں۔

پیارے بچو! پرانے زمانے میں ملک اسرائیل میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھے حضرت سلیمان علیہ السلام۔ وہ محض بادشاہ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کئی معجزے عطا کیے تھے۔ کسی نبی کے اندر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حیرت انگیز قوتوں کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی حکومت انسانوں کے ساتھ ساتھ ہواؤں اور جنوں پر بھی تھی۔ ان کے پاس اڑنے والے پری زاد گھوڑے تھے۔ ان کا تخت بھی ہوائی جہاز کی طرح ہواؤں پر اڑتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ ایک ہی دن میں اپنی وسیع و عریض مملکت کا معائنہ کر لیتے تھے۔ اپنی راجدھانی یروشلم میں انھوں نے جنوں کے ذریعہ ایک نہایت ہی خوب صورت مسجد تعمیر کرائی تھی جسے مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے۔ اسے قبلۂ اوّل بھی کہتے ہیں کیونکہ مکہ مکرمہ میں موجود حرم کعبہ کے قبلہ مقرر ہونے سے قبل مسلمان بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کرتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ وہ پرندوں، چیونٹیوں اور دیگر حشرات الارض

کی بولیاں سمجھ لیتے تھے اور ان سے انھیں کی زبان میں یوں گفتگو کیا کرتے تھے جیسے ہم آپ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یروشلم میں سلیمان علیہ السلام کا ایک بہت بڑا محل تھا جس کی دیواریں سنگ مرمر کی اور فرش بلور کا تھا۔ چھتوں سے فانوس لٹکے ہوئے تھے جن میں رات کے وقت شمعیں جلائی جاتی تھیں اور پورا محل بقعۂ نور بن جاتا تھا۔ محل کے چاروں طرف پھولوں کے چمن زار اور پھلوں کے باغات تھے جن میں خوش نوا چڑیاں اور رنگ برنگی تتلیاں اڑتی پھرتی تھیں۔ ٹھنڈے پانی کے فوارے اور نہریں بھی جاری تھیں۔ غرض محل ہر طرح کے آرام و آسائش کے سامانوں سے پُر تھا اور اس محل میں متعدد رانیاں بھی موجود تھیں۔

پیارے بچو! خوب جان لو کہ خوش اخلاقی، خوش مزاجی اور خوش کلامی ہی انسان کا اصل جوہر ہے۔

سب سے چھوٹی رانی ملکہ بلقیس حسین ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سمجھدار اور خوش اخلاق بھی تھی۔ سلیمان علیہ السلام کے حرم میں داخل ہونے سے قبل وہ ملک سبا کی ملکہ تھی۔ اسے اپنے شوہر سے بے حد محبت تھی۔ اپنی خوش کلامی سے وہ ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتی۔ سلیمان علیہ السلام بھی اسے بہت مانتے تھے اور اس کی صحبت میں انھیں راحت و سکون کا احساس ہوتا تھا۔ باغ کے جس گوشے میں سلیمان علیہ السلام تنہا اور اداس بیٹھے ہوتے وہاں ملکہ بلقیس جا کر ان کے پہلو میں بیٹھ جاتی اور ان سے تسلی آمیز باتیں کرتی۔

ایک دن کی بات ہے کہ ملکہ بلقیس باغ کے اسی مخصوص گوشے میں پہنچی تو اس نے سلیمان علیہ السلام کو بے تحاشہ قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے دیکھا۔ سلیمان علیہ السلام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ جب ان کی ہنسی ذرا تھمی تو ملکہ بلقیس نے پوچھا: ”میرے آقا! میں نے آپ کو ایسے ہنستے کبھی نہیں دیکھا۔ سدا اداس ہی دیکھا ہے۔ آج ایسی کون سی خوش کن بات ہوئی جس پر آپ کو اتنی ہنسی آئی“۔

سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا: ”میری پیاری ملکہ بلقیس! آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔ میں یہاں بیٹھا پھولوں کو دیکھ رہا تھا کہ تتلیوں کا ایک جوڑا آیا۔ پھر وہ کسی بات پر آپس میں جھگڑنے لگا۔ تتلی نے تتلے سے کہا کہ اس کی صحبت میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی خوشی اور مسرت کا احساس نہیں ہوا۔ سارے تتلے اپنی تتلیوں کی بات بے چون و چرا مان لیتے ہیں۔ مگر تم ہو کہ میری کوئی بات نہیں مانتے۔ ہمیشہ اپنے من سے الٹے ہی کام کرتے ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمھیں مجھ سے کوئی محبت ہی نہیں۔ یہ کہہ کر تتلی زار و زار رونے لگی۔ تتلی کے گلے شکوے اور آہ و بکا سے تتلا بڑا پریشان ہوا۔ پہلے تو اس نے نرمی سے تتلی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر تتلی پر اس کا الٹا ہی اثر ہوا۔ وہ اور زور زور سے رونے لگی۔ پھر تو تتلے کو غصہ آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا کہ دیکھ نادان تتلی اگر تو نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو پھر میں اس زور سے اپنے پنکھ پھڑپھڑاؤں گا کہ ہوا میں ایک طوفان اٹھے گا جو شاہ سلیمان کے اس خوب صورت باغ کو تہس نہس کر دے گا اور اس کے ساتھ تو بھی تباہ ہو جائے گی۔

تتلے کی اس دھمکی سے ڈر کر تتلی وہاں سے بھاگ گئی۔ میں بڑے غور سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے لپک کر تتلے کو پکڑا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پوچھا۔ بڑبولے تتلے تیری یہ جرأت! تیرے پنکھ پھڑپھڑانے سے ایک پتی بھی نہ ہلے۔ تو نے ایسی ڈینگ کیوں ماری کہ پنکھ پھڑپھڑا کر تو ایک طوفان اٹھائے گا اور میرے باغ کو تباہ و برباد کر دے گا؟

تتلے نے مسکین صورت بنا کر بڑی عاجزی سے کہا۔ بادشاہ سلامت! گستاخی معاف۔ آپ نے تتلی کی باتیں سنیں۔ وہ نامراد کیسی سرپھری کی طرح بے تکی باتیں کر رہی تھی۔ آپ

تو خود ہی خوب واقف ہیں کہ بیویاں بسا اوقات کیسی ناقابل برداشت ہوجاتی ہیں۔ انھیں قابو میں رکھنے کے لیے انھیں ذرا ڈرانا اور دھمکانا ضروری ہوجاتا ہے۔

ٹڈے کی باتیں سن کر بی مومو پرنسی کا یہ دورہ پڑا کیونکہ مجھے ٹڈے کی باتوں میں صداقت کی جھلک نظر آگئی۔ بیویوں کے ستائے ہوئے ایک غم زدہ شوہر کی حیثیت سے مجھ میں اور اس حقیر ٹڈے میں کچھ زیادہ فرق نہیں"۔

ملکہ بلقیس یہ روداد سن کر مسکرائی اور بولی: "میرے سرتاج! ٹڈے کی باتیں صداقت پر مبنی ہیں۔ عورتوں کے مزاج میں تھوڑی کجی ہوتی ہے۔ انھیں سدھارنے کے لیے تھوڑی سختی بھی ضروری ہوتی ہے۔ آپ ذرا خود کو ہی دیکھیے۔ آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں کہ آپ کی ہیبت سے دنیا تھر تھر کانپتی ہے مگر آپ کی بیویاں آپ سے بالکل نہیں ڈرتیں اور آپ سے شوخیاں اور شرارتیں کرتی ہیں۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ آپ ان پر کوئی سختی نہیں کرتے اور نہ ان کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کے سامنے اپنی بے پناہ قوتوں کا مظاہرہ کریں تو یقین ہے کہ وہ اپنی ساری شوخیاں بھول کر مطیع و فرماں بردار بن جائیں گی۔"

سلیمان علیہ السلام یہ سن کر مسکرائے اور بولے: "پیاری ملکہ! کہنا تو تمھارا ٹھیک ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے جو طاقت و قوت عطا کی ہے وہ خدمت خلق کے لیے ہے نہ کہ خواہ مخواہ کسی کو مرعوب کرنے کے لیے۔ بھلا خود اپنے فائدہ کے لیے میں ان قوتوں کا استعمال کیسے کرسکتا ہوں؟"

ملکہ بلقیس یہ سن کر سوچ میں ڈوب گئی۔ اس نے اپنے دل میں ایک منصوبہ باندھا اور یوں گویا ہوئی۔ "میرے آقا آپ اپنی خاطر نہیں مگر اس غریب ٹڈے کی خاطر تو اپنی طاقت کا استعمال کرسکتے ہیں۔ آپ کسی زبردست جن کو حکم دیں کہ آگے کبھی ٹڈا اپنی ڈینگیں مارے تو اس کے پنکھ پھڑپھڑانے پر وہ اس قطعۂ زمین کو ذرا سا ہلا دے جس پر آپ کا یہ محل اور باغ ایستادہ ہے۔ پھر تو تتلی پر ٹڈے کی ایسی دھاک جم جائے گی کہ وہ تا عمر اس کی فرماں برداری کرتی رہے گی۔"

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی یہ بات مان لی اور

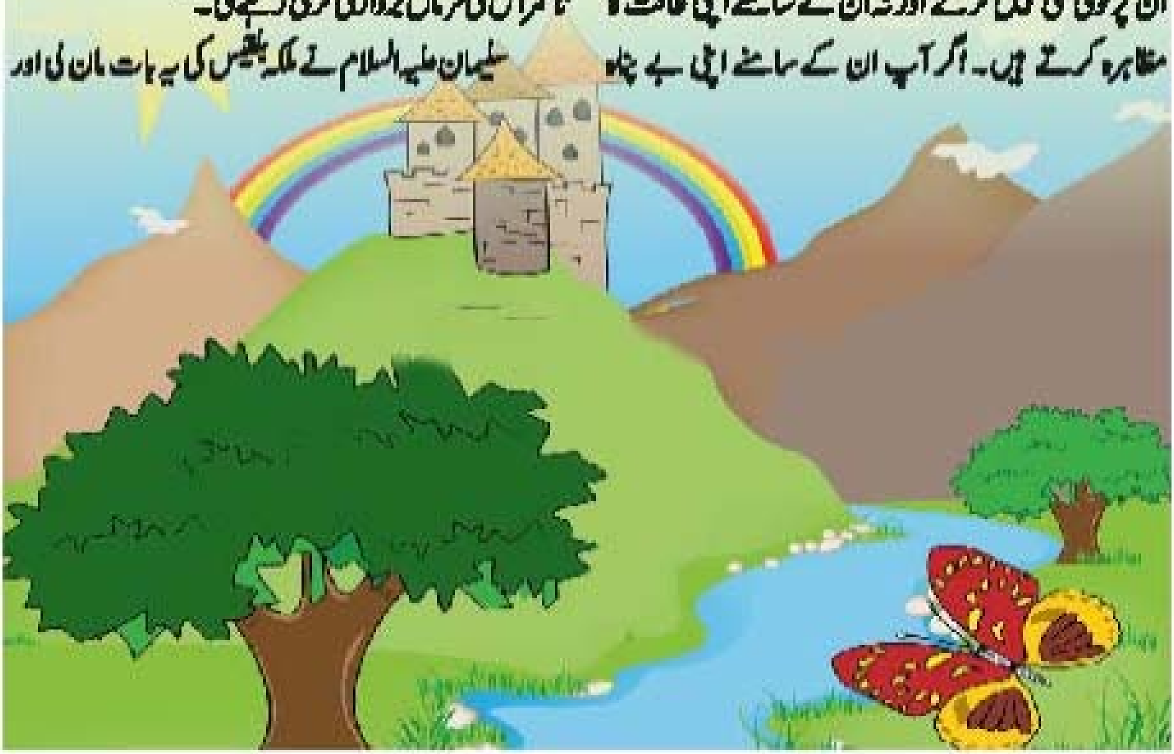

ویسا ہی حکم صادر کر دیا۔ ادھر ملکہ بلقیس نے ڈھونڈ کر اس تتلی کو پکڑا اور ایک کونے میں لے جا کر سرگوشیوں میں کہا: "تتلی رانی یہ ٹڈا خواہ مخواہ تمہیں ڈرانے کو ایسی ڈینگیں مارتا ہے۔ اگر تم اس کے سامنے ڈٹ جاؤ تو اس کی پول کھل جائے گی۔ اگلی بار جب وہ ایسی ڈینگیں مارے تو اسے للکار کر کہنا کہ مجھے تیری باتوں پر بالکل اعتبار نہیں۔ اگر تجھ میں کچھ بھی سکت ہے تو جو کہتا ہے وہ کر کے دکھا۔"

تتلی کو یہ باتیں سکھا کر ملکہ بلقیس وہاں سے ہٹ گئی۔

سوئے اتفاق کہ دوسرے ہی دن تتلی اور ٹڈے میں پھر جھگڑا ہو گیا۔ حسب عادت ٹڈے نے غصے میں آ کر تتلی کو دھمکی دی کہ وہ بار بار جتا چکا ہے کہ اسے غصہ نہ دلایا جائے ورنہ وہ پنکھ پھڑ پھڑا کر ایسا طوفان برپا کر دے گا کہ شاہ سلیمان کا یہ باغ تہس نہس ہو جائے گا۔ اس دفعہ تتلی بالکل نہ ڈری بلکہ اس نے بھی تن کر ترکی بہ ترکی کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ تجھ میں کوئی طاقت نہیں۔ اگر ہے تو ذرا طوفان اٹھا کر دکھا۔ ٹڈے کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا: "دیکھو تتلی۔ میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے غصہ نہ دلا۔ ورنہ اگر میں نے واقعی طوفان برپا کر دیا تو پھر مجھے بعد میں الزام نہ دینا۔"

"چل چل بڑا آیا طوفان برپا کرنے والا۔ یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا میں تجھے خوب جانتی ہوں۔ طوفان تو دور کی بات ہے تیرے پنکھ پھڑ پھڑانے سے ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی آنے والا نہیں" تتلی نے اسے مزید طیش دلاتے ہوئے کہا۔

اب تو ٹڈا غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے بڑے زور سے اپنا پنکھ پھڑ پھڑایا۔ پھر کیا تھا اس کے پیچھے مامور جن نے حسب فرمان اس قطعۂ زمین کو ہلا دیا جس پر سلیمان علیہ السلام کا محل تھا۔ یہ دیکھ کر تتلی کا جو حال ہوا سو ہوا۔ ساتھ ہی محل کے در و دیوار کو ہلتا دیکھ کر ساری رانیاں گھبرا کر محل سے باہر نکل آئیں اور زلزلہ زدہ چیختی ہوئی باغ کی طرف بھاگیں۔

وہاں ملکہ بلقیس نے ان سے کہا کہ یہ زلزلہ آیا نہیں بلکہ لایا گیا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے تم لوگوں سے ناراض ہو کر اپنے اس محل کو ہی منہدم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ زلزلہ اسی کے سبب ہے۔ ذرا سوچو کہ یہ محل نہ رہے گا تو تم کہاں رہو گی۔ بہتر ہے کہ تم سب مل کر ان کے آگے گڑگڑاؤ اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگو اور مستقبل میں ٹھیک اور فرماں بردار بن کر رہنے کی قسم کھاؤ تو شاید وہ تمہیں معاف کر دیں اور یہ آئی ہوئی بلا ٹل جائے۔

ملکہ بلقیس کی باتیں سن کر سبھی رانیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سب مل کر سلیمان علیہ السلام کے حضور معافی کی درخواست گزار ہوئیں اور صدق دل سے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ سلیمانؑ نے بھی مہربان ہو کر انھیں معاف کر دیا اور زلزلہ رک گیا۔ پھر سب لوگ مل جل کر اس محل میں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

دیکھا بچو! ملکہ بلقیس نے کس عقل مندی اور حکمت و فراست سے معاملے کو سلجھایا کہ ایک ہی تیر سے کئی شکار کر ڈالے۔ ٹڈے کو بھی راحت ملی اور سرکش رانیاں بھی رام ہو گئیں۔ سلیمان علیہ السلام کی اداسی بھی دور ہو گئی۔ تم بھی اپنی زندگی میں حکمت و فراست کو اپناؤ اور اپنے اخلاق اور سیرت کو سنوارنے پر خاص دھیان دو کیونکہ کہا گیا ہے۔

فضیلت حسن سیرت کو ہے حاصل حسن صورت پر
اگر سیرت نہیں اچھی تو پھر کوئی حسیں کیا ہو

■

Syyed Obaidullah Hashmi
Hashmia Colony
Hazari Bagh - 825301 (Jharkhand)
Mob.: 9934516155

سیاہ سفید

میرے گھر کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ اس میدان کو درگاہ کا میدان کہتے ہیں۔ اس میدان کے بیچ میں چھ فٹ اونچے چبوترے پر ایک مزار ہے جو حضرت شاہ دولا میاں کے نام سے مشہور ہے۔

مزار سے متصل مغربی سمت میں ایک بہت بڑا نیم کا پیڑ ہے۔ اس پیڑ کے تنے کی موٹائی کم از کم بارہ فٹ ہے۔ اس کی قدامت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ آج خود میری عمر ستّر برس ہے۔ میں اپنے بچپن سے اس پیڑ کو ویسے ہی دیکھ رہا ہوں۔ میرے والد بھی یہی کہتے ہیں اور گاؤں کے سب سے عمر رسیدہ بزرگ بھی یہی کہتے ہیں۔ نیم کی شاخیں اپنی گولائی میں پھیل کر مزار اور چبوترے کو اپنے سائے میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس میدان میں اور بھی چھوٹے پیڑ پودے ہیں۔

اس نیم پر پہلے کووں کا بسیرا ہوتا تھا۔ مئی کے آخر میں یا پھر جون مہینے کے شروع میں کوے اپنا گھونسلہ بناتے تھے اور اپنی کائیں کائیں کی آوازوں سے صبح صادق کی خبر دیتے تھے۔

ابھی چند دنوں سے اس پیڑ پر بگلوں کا قبضہ ہونے لگا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد گھر کی بالکونی یا سب سے اوپری چھت سے میں روزانہ یہ منظر دیکھ رہا ہوں۔ سورج غروب ہونے کے بعد بگلوں کے جھنڈ آتے ہیں اور اس پیڑ کی مختلف محفوظ گھنی شاخوں پر قبضہ جما لیتے ہیں۔ ان بگلوں کی تعداد کم و بیش پانچ سو تو ہوتی ہوگی۔

اس لیے کووں کو بسیرا لینے کی گنجائش تقریباً ختم ہوگئی ہے مگر پھر بھی کووں نے پسپا ہوکر پیڑ کی جنوبی سمت والی چند ڈالیوں پر اکتفا کرلیا ہے۔ مراٹھی کی ایک کہاوت ہے "بڑی تو کان بڑی"

طاقتور کمزوروں کے کان مروڑتا ہے۔ اور اردو میں ایک مثل رائج ہے "زوردار زور کرے کمزور صبر کرے" اس لیے باقی کوے میدان کے دوسرے پیڑوں پر رات گزار لیتے ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر میرے ذہن میں جو خیالات آتے ہیں وہ اس طرح ہیں: پہلا خیال، چونکہ کووں کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ جو بدی برائی، اندھیرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے یہ دیکھ

کر بدی پر نیکی کی طرح، برائی پر اچھائی کی جیت، اندھیرے پر اجالے کی طرح نحوست پر خوش حالی کی کامیابی..... وغیرہ۔

کوا ہوشیار، تیز طرار، چالاک و چوکنا پرندہ ہے۔ ساتھ ہی قوم پرور ہے۔ اگر اسے کھانے کی کوئی چیز مل جاتی ہے تو وہ دوسرے کووں کو بلاتا ہے۔ اگرچہ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے مگر وہ دل کا صاف ہوتا ہے۔

برعکس اس کے بگلا خود غرض شاطر و ڈھونگی پرندہ ہے۔ ہندی کے ایک شاعر نے جو کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ:

بگلا ندی کے پانی میں آنکھیں بند کیے ایک پیر پر کھڑا ہوتا ہے۔ بیچاری معصوم مچھلیاں یہ سمجھتی ہیں کہ یہ کوئی سادھو سنت ہے جو مراقبے میں محو ہے۔ اس سے کوئی خطرہ نہیں اور وہ بے خوف ہو کر اس کے قریب جاتی ہیں اور جیسے ہی وہ قریب آتی ہیں..... یہ اپنی لمبی چونچ میں دبا لیتا ہے اور پھر اسی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا رنگ اجلا ہے مگر وہ دل کا کالا ہے۔

دوسرا خیال... بھارت ورش میں جو آدی واسی صدیوں سے رہتے آئے ہیں ایران سے آئے ہوئے گوری نسل کے انسانوں نے جو طاقتور، ڈھونگی تھے۔ انھوں نے ان آدی واسیوں کی زمینوں پر قبضہ جما کر انھیں جنگل اور پہاڑوں میں دھکیل دیا۔ گونڈ، بھیل، کورکو، پاردی جیسی اقوام یہاں کے بنیادی باشندے ہیں اور یہ گورے باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ سفید پوشوں نے غریبوں کا استحصال کیا ہے۔

کوے کائیں کائیں کرتے ہیں... پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ کمزوروں کا کمزور احتجاج ہے۔ جو طاقتوروں کے سامنے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بگلے شور نہیں مچاتے مگر خاموشی سے اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں۔ ان بگلوں نے بھی طاقت کے زور پر کمزور کووں کو دوسرے پیڑوں پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا ہے۔

■

Advocate Habib Rithpuri
At Riddhapur, Post: Riddhapur
Distt: Amravati - 444704
Mob.: 9403860486

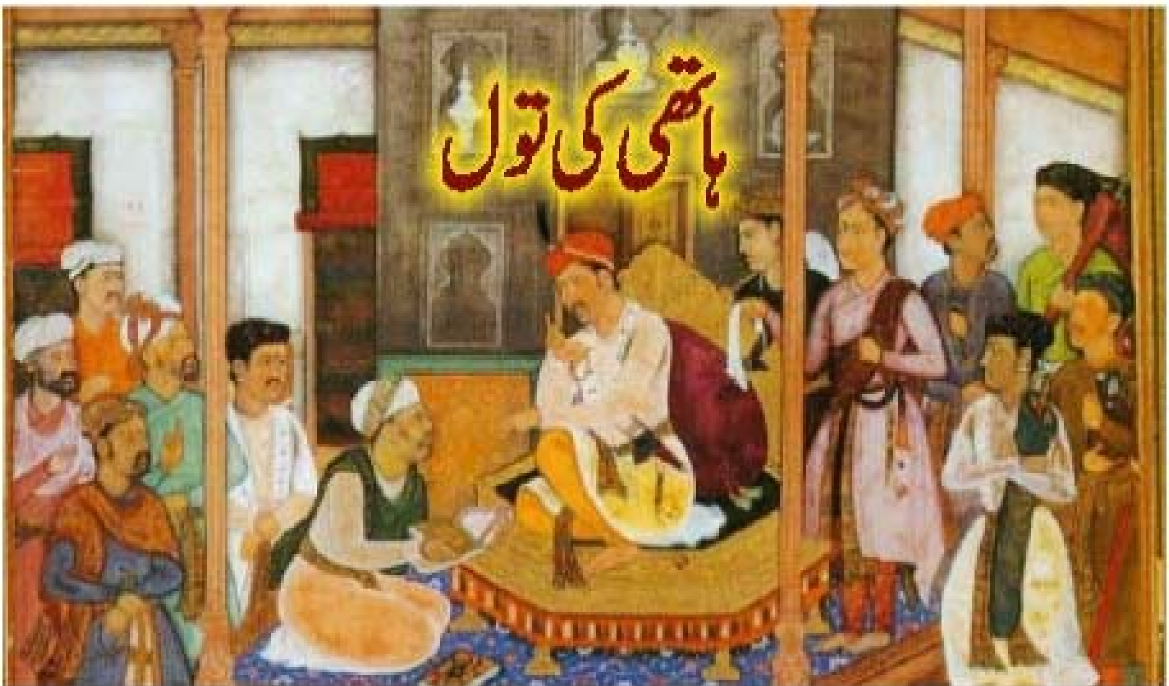

ہاتھی کی تول

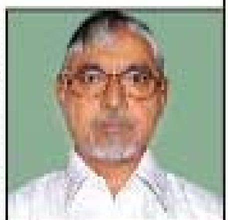

عبدالقیوم ماسٹر

عبدالقیوم ماسٹر (ایس ایس سی، ڈی ایڈ) کا تعلق مہاراشٹر کے دھولیہ سے ہے۔ درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور صدر مدرس ہو کر سبکدوش ہوئے۔ اخبارات و رسائل میں بچوں کے لیے مضامین اور کہانیاں لکھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبا اور طالبات کو مقابلہ جاتی امتحانات کے لیے تیار کرنا اور ان کی مفت رہنمائی کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے ایک راجا تھا۔ بہت رحم دل، انصاف پسند اور رعایا پرور۔ اس کے دورِ حکومت میں رعایا خوشحال تھی۔ ہر طرف امن و امان تھا۔ ایک دن راجا بیمار ہو گیا۔ شاہی حکیم نے بہت علاج کیا لیکن علاج کارگر ثابت نہ ہوا۔ "جان ہے تو جہان ہے" راجا نے اعلان کروایا کہ جو کوئی راجا کو اچھا کر دے گا اسے راجا کے خاص ہاتھی کے وزن کے برابر اشرفیاں تول کر دی جائیں گی۔ اعلان سن کر بڑے بڑے نامی گرامی حکیموں اور ویدوں نے آ آ کر راجا کا علاج کیا مگر کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔

ایک دن ایک بوڑھا دیہاتی راجا کے دربار میں آیا اور دعویٰ کیا کہ وہ راجا کو اچھا کر دے گا۔ وزیر نے کہا "اتنے بڑے بڑے حکیم اور وید راجا کو اچھا نہ کر سکے، تو ایک معمولی دیہاتی، جاہل اور گنوار راجا کو کیا اچھا کر پائے گا۔" راجا کو خبر ہوئی تو اس نے کہا "اس دیہاتی کو ایک موقع دیا جائے۔ شاید اس کے علاج سے میں اچھا ہو جاؤں۔ جب تک سانس تب تک آس۔"

راجا کے حکم سے دیہاتی نے علاج شروع کیا۔ اس نے چند جڑی بوٹیوں کے نام اور نشانی بتا کر جنگل سے لانے کے لیے کہا۔ سپاہی فوراً دوڑے اور جنگل سے جڑی بوٹیاں ڈھونڈ کر لے آئے۔ بوڑھے دیہاتی نے دھو کر کھرل میں

رس نکالا اور راجا کو ایک بڑے چمچ سے پلایا۔ کچھ ہی دیر بعد راجا کو اچھا محسوس ہونے لگا۔ اس طرح دو تین گھنٹے کے فرق سے دوا پی کر ایک ہفتے کے اندر راجا کی بیماری دور ہوگئی اور وہ صحت یاب ہو گیا۔

اب مسئلہ آیا راجا کے خاص ہاتھی کو تولنے کا۔ ہاتھی کوئی چھوٹی سی چیز تو ہے نہیں کہ ترازو میں رکھ کر تول دی جائے۔ سارے درباری سر جوڑ کر بیٹھے۔ لیکن ہاتھی کو تولنے کی ترکیب کسی کے سمجھ میں نہیں آئی۔ وزیر نے راجا کو صلاح دی کہ اندازے سے ہاتھی جتنے من کا ہو سکتا ہے اتنے من روپے تول کر دیہاتی کو دے دیے جائیں۔ راجا نے کہا "نہیں میں ہاتھی کے وزن کے برابر ہی اشرفیاں تول کر دوں گا۔ کوئی نہ کوئی ہاتھی کو تولنے کی ترکیب ضرور بتائے گا۔" جاؤ اعلان کرا دو کہ جو راجا کے ہاتھی کو تولنے کی ترکیب بتائے گا اسے پانچ سو سونے کی اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔

وزیر نے پورے علاقے میں منادی کروا دی۔ اعلان سن کر ہر کوئی ہاتھی کو تولنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ ایک دن ایک ملاح دربار میں آیا اور کہا کہ وہ ہاتھی کو تولنے کی ترکیب بتائے گا۔ تمام درباری ہنس پڑے۔ وزیر نے کہا "یہاں اتنے سارے عقلمند اور ذہین لوگ موجود ہیں کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ہاتھی کو کیسے تولیں؟ تو ایک جاہل اور گنوار ملاح کیا ترکیب بتائے گا؟" ملاح نے جواب دیا "کل ہاتھی اور اشرفیاں لے کر دریا پر آجاؤ میں ہاتھی کو تول کر بتاؤں گا اور اگر ایسا نہ کر سکا تو وہیں میری گردن اڑا دینا۔"

دوسرے دن راجا اپنے خاص ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچا۔ ساتھ ہی تمام درباری، نوکر چاکر اور سپاہی بھی تھے۔ نوکروں کے سروں پر اشرفیوں سے بھرے ٹوکرے تھے۔ راجا ہاتھی سے اترا۔ ملاح نے مہاوت سے کہا کہ وہ ہاتھی کو اس بڑی کشتی پر سوار ہونے کا اشارہ کرے۔ ملاح کے اشارے پر ہاتھی اس بڑی کشتی پر سوار ہو گیا۔ ہاتھی کے وزن سے کشتی پانی میں ڈوبنے لگی۔ جہاں تک کشتی پانی میں ڈوبی ملاح نے وہاں ایک نشان لگا دیا اور مہاوت سے کہا کہ وہ ہاتھی کو کشتی سے اتار لے۔ مہاوت کے اشارے پر ہاتھی کشتی سے اتر گیا۔ اب ملاح نے راجا سے کہا کہ کشتی میں اشرفیاں ڈالی جائیں۔ راجا کے حکم پر سپاہیوں نے کشتی میں اشرفیاں ڈالنی شروع کیں۔ کشتی دھیرے دھیرے پانی میں ڈوبنے لگی۔ جب نشان تک کشتی پانی میں ڈوب گئی تو ملاح نے کہا اب اس میں اور اشرفیاں نہ ڈالی جائیں۔ کشتی میں ڈالی گئیں اشرفیاں ہاتھی کے وزن کے برابر ہیں۔

راجا اس ترکیب سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اعلان کے مطابق پانچ سو اشرفیاں ملاح کو انعام میں دیں اور بوڑھے دیہاتی سے کہا یہ تمام اشرفیاں تمہارا انعام ہیں۔ سپاہیوں سے کہا یہ ساری دولت بوڑھے کے گھر پہنچا دی جائے۔

بوڑھے دیہاتی نے کہا "حضور اب میری زندگی ہی کتنی ہے۔ اتنی ساری دولت لے کر میں کیا کروں گا؟ اسے شاہی خزانے میں جمع کر دیا جائے اور رعایا کی بھلائی کے کاموں میں صرف کی جائے۔"

بچو! دیکھا آپ نے ایک معمولی دیہاتی نے بادشاہ کی بیماری دور کر دی۔ ایک جاہل اور گنوار ملاح نے ہاتھی کو تول کر ثابت کر دیا کہ عقل کسی کی میراث نہیں۔

■

Abdul Qayyum Mohd Ismayeel
Qasab Bara, Gali No.: 7
Ghar No.: 2258
Dhulia - 424001 (Maharashtra)
Mob.: 9273195330

ارم نعیم

معصوم شگوفی

شگوفی تین بہنوں میں دوسرے نمبر پر تھی، والدین کو اپنی تینوں ہی بیٹیاں نہایت ہی عزیز تھیں، مگر تینوں کو یہی لگتا کہ ابا مجھے زیادہ چاہتے ہیں، شگوفی اس معاملے میں خود کو سب سے آگے ہی سمجھتی اور ابا پر دل و جان سے نثار ہوا کرتی اور ابا بھی تو اس معاملے میں ذرا بھی پیچھے نہ تھے اور ہر لمحہ اپنی دلاری بچی پر ساون کے بادلوں کی مانند بے شمار خوشیوں کی برسات کرتے۔ کبھی اس کی پسند کی چیزیں لا کر تو کبھی باہر گھما کر، اور اب تو یہ عالم تھا کہ اگر ابا گھر کے لیے چیزیں بھی خریدنے جاتے تو شگوفی پوری معصومیت سے ان کے اسکوٹر کے آگے جا کر کھڑی ہو جاتی اب ایسے میں ابا اپنی بچی کو کیونکر انکار کرتے اس لیے وہ زیادہ تر ہر جگہ ان کے ساتھ ہی جایا کرتی، گھر سے کچھ فاصلے پر ابا کی چپلوں کی چھوٹی سی دکان تھی اس سبب ابا دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ نہ لے جاتے بلکہ گھر آ کر بیوی اور بچوں کے ساتھ ہی کھاتے، شگوفی کو گلی میں جیسے ہی ابا کی آواز سنائی دیتی وہ فوراً دوڑ کر ان کے پاس جاتی اور وہ جو کچھ بھی اپنے ساتھ لاتے اور اس کے ہاتھ میں دے دیتے۔ شگوفی کیا کرتی کہ وہ ان میں سے اپنی پسند کی چیز کا انتخاب کرنے کے بعد دوسروں کو دیتی، یہ سب تو ننھی عمر کی ننھی شرارتیں تھیں جو بچوں میں ہوا کرتی ہیں پر اس کا مطلب یہ بالکل نہیں تھا کہ اسے اپنی بہنوں سے محبت نہ تھی۔

اسی محلے میں گھر سے کچھ فاصلے پر نانی کا بھی گھر تھا اس لیے اسکول و مدرسے سے فارغ ہو کر دن بھر میں تین چار چکر تو نانی کے گھر کے لگ ہی جاتے، ننھیال میں بھی وہ سبھی کو عزیز تھی وہ نانا ہوں یا نانی، خالہ ہوں یا ماما، کبھی کبھی ماما اسے پریشان کرنے کے لیے اس کے سامنے ابا کی جھوٹی برائیاں کرتے تو وہ ابا کی حمایت میں لڑا کرتی اس پر سب خوب ہنستے اور جب گھر میں تو ابا ننھیال والوں کو کچھ برا کہتے تو ابا سے ان لوگوں کی حمایتیں کیا کرتی، یعنی سات آٹھ برس کی اس ننھی سی

گھر میں بھی اسے سب لوگ عزیز تھے، اس کا ننھا سا دل بھی انھوں کے لیے بڑا وسیع اور سچی محبت سے بھرا تھا۔

شگوفی کو بچپن ہی سے جانوروں، پرندوں اور پیڑ پودوں سے خاصا لگاؤ تھا۔ اکثر کہیں سے گھر آتے وقت اگر اسے کوئی بیمار یا چوٹ کھایا ہوا بلی یا کتے کا بچہ، مرغی کا چوزا یا پھر کوئی زخمی پرندہ نظر آ جاتا تو اسے گھر لے آتی اور ہر طرح سے اس کی خدمت کرتی۔ یہ امی ہی کی شخصیت کا اثر تھا کہ شگوفی نے کبھی بھی جانوروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی، امی نے یہ ساری باتیں اسے ابتدا سے سکھائیں تو ساتھ ہی خود بھی ان سب پر عمل کیا اور بچے تو وہی کرتے ہیں جو وہ اپنے والدین کو کرتا دیکھتے ہیں، اسی لیے ننھی شگوفی کو ان سب جانوروں سے ڈر نہیں لگتا تھا بلکہ وہ تو ان سے محبت کیا کرتی تھی۔

ایک بار شگوفی نے تیسرے درجے میں استاد سے، اور نانی کی کہانیوں میں یہ سن رکھا تھا کہ سورج کی کرنیں طاقت و توانائی عطا کرتی ہیں اس بات کا اس کے معصوم ذہن پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کسی بھی بیمار جانور یا پرندے کا اول تو اپنے مطابق علاج کیا کرتی لیکن جب اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آتا تو اسے چھت پر دھوپ میں لے جاتی اور گھنٹوں اس کے اٹھنے کا انتظار کرتی، اور اس کی یہ محنت اکثر رنگ بھی لاتی اور وہ بے زبان جب اٹھنے یا چلنے لگتا تو اس لمحہ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہتا لیکن اگر سردی کا موسم ہوتا اور دھوپ نہ نکلتی تو وہ امی سے کوئلے جلوا کر اس کی گرم آنچ دلوایا کرتی۔ ایسی صورت حال جب بھی پیش آتی تو شگوفی کا دل کہیں اور نہ لگتا بلکہ سارا دن اسی جانور کا خیال رہتا۔

جس دن وہ جانور یا پرندہ پوری طرح صحت یاب ہو جاتا تو امی اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آنے کو کہتیں، جس پر شگوفی کا دل اداس ہو جاتا اور وہ اسے گھر میں ہی رکھنے کی ضد کرتی تب امی اسے بڑے ہی پیارے اور میٹھے لہجے میں سمجھایا

کرتیں کہ بیٹا اس کی بھی کوئی ماں ہے جو اسے تلاش کر رہی ہوگی اور یاد کرکے روتی ہوگی، جس طرح آپ میرے بغیر نہیں رہتی تو یہ بیچارے کیسے رہ سکتے ہیں چنانچہ بہتر ہے کہ آپ اسے جانے دیجیے .... پہلے تو وہ خاموش رہتی لیکن تھوڑے دنوں کے بعد اسے امی کی بات سمجھ میں آتی تو وہ اس بات کے لیے رضامند ہو جاتی، کہ اسے ان کی مدد تو کرنی ہے پر انھیں قید نہیں کرنا بلکہ آزاد کر دینا ہے اور امی کے سکھائے اس سبق کو اس نے ہمیشہ یاد رکھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ ہر دوپہر کی طرح شگوفی آج بھی گھر کے سامنے مدرسے میں عربی پڑھنے گئی، اور بیٹھ کر سبق یاد کرنے لگی۔ ایک دن کئی دفعہ یاد کرانے پر بھی جب اسے سورۃ فلق وسورۃ ناس یاد نہ ہوئی تو مولوی صاحب نے اسے سزا دی کہ کھڑے ہوکر یاد کرے ورنہ آج چھٹی نہ ملے گی، اس بات سے وہ رنجیدہ ہوئی اور ننھی معصوم آنکھوں سے دو ننھے ننھے موتی گلاب سے سرخ گالوں پر ڈھلک آئے، پہلو میں بیٹھے ناصر بھائی نے جب یہ دیکھا تو اسے چپکے سے یاد کروا دیا پھر اس نے تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب کو سنایا تو انھوں نے اسے شاباشی دی جس نے اسے مستقبل کے لیے نئے حوصلے فراہم کیے اور اب اس نے معمول بنا لیا تھا کہ کسی بھی طرح وہ مدرسہ جانے سے قبل امی سے سبق یاد کر لیتی، اسی دوران اسے مدرسے کا مانیٹر بھی بنا دیا گیا، اور اب تک وہ مولوی صاحب کی لائق فائق شاگرد ہو چکی تھی۔

اس دن جب اس نے اپنا سبق سنا دیا تو اپنے معمول کے مطابق صراحی، پانی کا گلاس اور ناشتے دان لاکر سامنے رکھ دیا تاکہ مولوی صاحب کھانا تناول فرمالیں، لیکن جوں ہی انھوں نے ڈبہ کھولا تو وہ خالی تھا، ان کے چہرے پر اداسی چھا گئی، کیونکہ پچھلے دو دنوں سے کوئی چپکے سے کھانا کھا کر خالی ڈبہ رکھ دیا کرتا اور آج بھی یہی ہوا، انھوں نے ڈبہ واپس رکھوا دیا تھوڑا ناراض ہو کر پھر خاموش ہو گئے کیونکہ انھیں اب تک یہ پتہ نہ چل پایا تھا کہ یہ کام کون کر رہا تھا، شگوفی کا دل بھی مایوس ہو گیا تبھی اسے کچھ خیال آیا اس نے کسی کام سے گھر جانے کی اجازت مانگی اور چپکے سے ناشتے دان اٹھا کر لے گئی اور امی کو یہ سب بتا کر ان سے کھانا لے آئی اور مولوی صاحب کے سامنے لے جا کر رکھ دیا، انھوں نے سوچا کہ یہ دوبارہ کیوں لے آئی اور جب کھول کر دیکھا تو اس میں کھانا موجود تھا، استاد نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا، شگوفی نے نظریں نیچی کرکے بتایا کہ آپ بھوکے تھے یہ دیکھ کر ہم سے رہا نہ گیا اس لیے ہم گھر سے لے آئے، اب آپ دیر نہ کریں اور کھانا شروع کریں، اس کے اس معصومیت بھرے جواب پر استاد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اور استاد حیرت میں مبتلا ہو کر یہ سوچنے لگے کہ اتنے سارے بچوں میں فقط اسی ننھی معصوم کو میری بھوک کا خیال رہا، اور اس کے بعد مولوی صاحب ایک ایک لقمہ توڑتے جاتے اور ہر لقمے پر ان کی زبان سے ننھی شگوفی کے روشن مستقبل کے لیے دل سے دعائیں نکلتی جاتیں، اس طرح اس نے قرآن مکمل کرنے تک مولوی صاحب کی خوب خدمت کی، کیونکہ نانی نے اسے ہمیشہ سے استاد کی عزت وخدمت کرنے کا درس دیا تھا، اور بڑوں کی نصیحتوں پر عمل کرکے اس نے اپنے مستقبل اور کردار دونوں کو روشن کیا، اور اپنے درجے میں اوّل آئی اور اس طرح اس کی محبت بھری فکر نے اسے ہمیشہ سب کا عزیز بنائے رکھا۔

■

Iram Nayeem
92/100, Shahnoor, Ali Ganj
Allahabad - 211003 (UP)
Mob.: 7985705617

شیبا کوثر

ہنر ہاٹ

ارے یار حسان مزہ آ گیا ہم نے تو خوب مستی کی لاک ڈاؤن میں۔ جب سے اسکول جانا بند ہوا تھا گھر میں رہتے رہتے میں تو بور ہو گیا تھا۔ لیکن کل پاپا ہمیں گھمانے کے لیے ہنر ہاٹ لے کر گئے تھے ہم نے تو خوب سارے کھلونے خریدے۔ کیا بتاؤں کیسے کیسے خوبصورت کھلونے ہنر ہاٹ میں دیکھنے کو ملے، یقین مانو اتنے سستے اور اچھے اچھے کھلونے تو ہم نے آج تک بازار میں نہیں دیکھے تھے اور جانتے ہو یار کھانے کی بھی بہت ساری چیزوں کے اسٹال لگے ہوئے تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ سبھی چیزیں ہمارے ہی شہر کی بنی ہوئی تھیں ہم نے تو بہت سارے دکانداروں کا پتہ بھی لے لیا ہے تاکہ اگر ہنر ہاٹ بند ہو جائے تو اس پتے سے جا کر لا سکوں یا آرڈر دے کر منگوا سکوں۔

ہاں شیبا تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ہم نے بھی ہنر ہاٹ کے بارے میں سنا ہے میں بھی اپنے پاپا کو ساتھ لے کر ہنر ہاٹ دیکھنے ضرور جاؤں گا اور خوب سارے کھلونے خرید کر لاؤں گا۔

جانتے ہو حسان میں تو ایک بات بتانا ہی بھول گیا، ہم لوگوں کا ٹکٹ کا پیسہ بھی بچ گیا کیونکہ ہمارے گھر کے پڑوس میں آزاد چچا رہتے ہیں بہت اچھے انسان ہیں پہلے تو وہ اکثر گھر پر ہی رہتے تھے ان کی نوکری نہیں لگ سکی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے گھر میں کافی دشواری تھی۔ آزاد چچا تو بہت ہنر مند آدمی تھے گھر پر ہی اپنے ہاتھوں سے کچھ کھلونے بناتے تھے جسے محلے کے بچے لوگ خریدتے تھے مگر آمدنی بہت کم ہوتی تھی جس کی وجہ سے اکثر ہمارے پاپا ان کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ دو سال پہلے جب ہمارے شہر میں ہنر ہاٹ لگا تو پاپا نے آزاد چچا کو مشورہ دیا کہ "آزاد بھائی آپ کو تو معلوم ہے کہ سرکار آپ جیسے ہنر مندوں کے لیے ایک اسکیم کے تحت ہنر ہاٹ لگوا رہی ہے جہاں سرکاری طور پر لوگوں کی مالی مدد بھی کی جاتی ہے آپ کیوں نہیں کوشش کر کے ہنر ہاٹ میں اپنا ایک اسٹال لگاتے ہیں وہاں بہت سارے لوگ گھومنے آتے ہیں آپ کے بنائے کھلونے وہاں خوب فروخت ہوں گے۔ آزاد چچا کو ہمارے پاپا کی بات بہت اچھی لگی۔ انھوں نے کہا کہ بھائی صاحب آپ اس میں ہماری کچھ مدد کیجیے اور ایک اسٹال ہنر ہاٹ میں لگوا دیجیے۔ پاپا نے دوڑ دھوپ کر کے آزاد چچا کو ایک اسٹال لگانے کا انتظام کروا دیا پہلے ہی سال میں انھیں خوب منافع ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دو سال میں ماشاءاللہ ان کے گھر کی ساری پریشانی ختم ہو گئی جس کی وجہ سے آزاد چچا اور ان کے گھر کے سبھی لوگ ہم لوگوں کی بڑی عزت کرتے ہیں اور بہت خیال رکھتے ہیں۔ آزاد چچا کی بیوی بھی آزاد چچا کے کام میں ہاتھ بٹاتی ہیں ہم لوگ انھیں چچی جان کہتے ہیں چچی جان کو جب بھی فرصت ملتی ہے وہ ہمارے گھر امی جان سے ملنے ضرور آتی ہیں۔ امی جان بھی ان کا بہت خیال رکھتی ہیں اور ہر دکھ سکھ میں ان کا ساتھ دیتی ہیں۔ جب چچی جان کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ گھومنے کے لیے ہنر ہاٹ جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں وہ دوڑی دوڑی امی جان کے پاس آ گئیں اور انھوں نے امی جان سے کہا کہ آپ لوگ جب ہنر ہاٹ پہنچیں تو مجھے موبائل سے کال کر لیجیے گا۔ انتظامیہ کی طرف سے ہر دکاندار کو گیٹ پاس دیا جاتا ہے، میں گیٹ پاس لے کر آ جاؤں گی آپ لوگوں کو کوئی ٹکٹ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ امی جان نے بہت منع کیا کہ رہنے دیجیے آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں چند روپے کی ٹکٹ ہوگی میں لے لوں گی۔ لیکن چچی جان جب بہت اصرار کرنے

گئیں تو امی جان نے ان کی بات مان لی۔ اس طرح ہم لوگوں کو ٹکٹ بھی نہیں لینی پڑی۔

جب تک ہم لوگ ہنر ہاٹ میں رہے چچی جان ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ رہیں انھوں نے ہر ایک اسٹال والے سے ہم لوگوں کی خاص ملاقات کروائی اس میں ایک اسٹال انوراگ انکل کا بھی تھا جو لکڑی کے ذریعے بہت سارے سائنسی آلات بنا رہے تھے ہم نے ان کے اسٹال سے ایک لکڑی کا مگ خریدا ہے وہ بتا رہے تھے کہ اس کے اندر کوئی بھی کیمیکل رکھنے سے خراب نہیں ہوتا ہے اور نہ کسی طرح کا ری ایکشن ہوتا ہے عام طور سے اگر کوئی اسٹیل ہوتا ہے تو اس میں کچھ کیمیکل ری ایکشن ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مگر یہ مگ اس طرح کے خطرے سے محفوظ ہے اور اس کی قیمت بھی بہت مناسب ہے۔ دیکھنے میں بھی یہ بہت خوبصورت ہے میں نے تو اسے اپنے ڈرائنگ روم میں رکھا ہے جو لوگ بھی آتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں تو اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور جب میں اس کی خصوصیت بتاتا ہوں تو فوراً لوگ ہم سے اس کا پتہ پوچھتے ہیں اور آرڈر دے کر منگواتے ہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے انوراگ انکل ہمارے گھر آئے تھے اور بہت ساری مٹھائی بھی ساتھ لائے تھے انھوں نے بتایا کہ ہمیں بہت سارا آرڈر آپ کی وجہ سے ملا ہے۔ بہت سارے گراہکوں نے بتایا کہ آپ لوگوں کے ذریعے انھیں مگ کا پتہ چلا اس طرح ہمارے مگ کی مانگ دنوں دن بڑھ رہی ہے۔ پاپا نے بھی انوراگ انکل کی خوب ہمت افزائی کی اور ان کے گھر بلانے پر جانے کا وعدہ کیا ہے۔ کسی دن فرصت ملے گی تو ہم لوگ انوراگ انکل کے یہاں جائیں گے وہ بہت اچھے انسان ہیں اور کافی محنتی بھی ہیں دن رات وہ اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ طرح طرح کی نئی نئی چیز بنانے کے جستجو میں لگے رہتے ہیں۔

ہماری بہن ماہیہ نے بھی بہت سارے کھلونے خریدے۔ ماہیہ نے جب موبائل پر کھلونے کا دیدار اپنی ایک کزن انابیہ اور آمنہ جو بہار شریف میں رہتی ہے سے کرایا تو اسے بھی کھلونا بہت پسند آیا۔ کہنے لگی کاش ہمارے شہر میں بھی ہنر ہاٹ لگتا تو کتنا اچھا ہوتا ہم لوگ بھی ہنر ہاٹ کی سیر کرتے اور طرح طرح کے کھلونے خریدتے اور خوب مستی کرتے۔ وہ بتا رہی تھی کہ اس کے اسکول کے ٹیچر نے بتایا ہے کہ اس کے شہر میں بھی جلد ہی اس طرح کا ہنر ہاٹ لگنے والا ہے اسے بڑی شدت سے اس کا انتظار ہے کہ جلد ہی ہنر ہاٹ لگے اور اسے وہاں جا کر گھومنے کا موقع ملے۔

سچ مچ یہ ہنر ہاٹ بہت کمال کی چیز ہے یار اس سے تو بہت سارے فائدے ہیں، بچوں کو گھومنے پھرنے سیر و تفریح کا موقع بھی مل جاتا ہے اور بڑوں کے آمدنی کا ذریعہ بھی ہے اور بے روزگار لوگوں کو اس کے ذریعے روزگار بھی مل رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہنر مند لوگوں کو اپنے ہنر کا جوہر دکھانے کا بھی ذریعہ بن رہا ہے۔ ہاں یار اس سے تو فائدہ ہی فائدہ ہے ہمارے خیال سے ہر چھوٹے بڑے شہر میں ہنر ہاٹ لگنا چاہیے۔

ٹھیک ہے حسان اب موبائل آف کرتے ہیں پڑھائی کا وقت ہونے والا ہے۔ کچھ کتابیں لے کر اب میں پڑھنے بیٹھوں گا بہت سارے ہوم ورک کرتے ہیں اگلے ماہ ہمارے اسکول میں امتحان ہونے والا ہے ہم نے دونوں طرح کی تیاری کر لی ہے اگر امتحان آن لائن ہوگا تو اس کی بھی پوری تیاری ہے اور اگر اسکول جا کر دینا ہوگا تو اس کے لیے بھی ہم نے تیاری کر لی ہے۔ دعا کرو کہ جلد ہی یہ کورونا وائرس کی بیماری ختم ہو تا کہ ہم لوگ پھر سے اسکول میں جا کر پڑھائی کر سکیں۔ اسکول میں جا کر پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے یار، خدا حافظ۔

■

Sheeba Kausar
Mohalla: Brah Batrah
Post: Ara
Distt.: Bhojpur - 802301 (Bihar)

نثار انجم

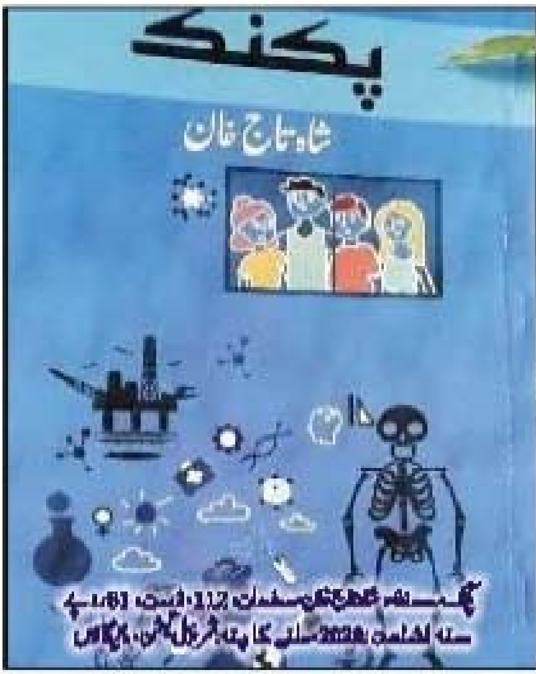

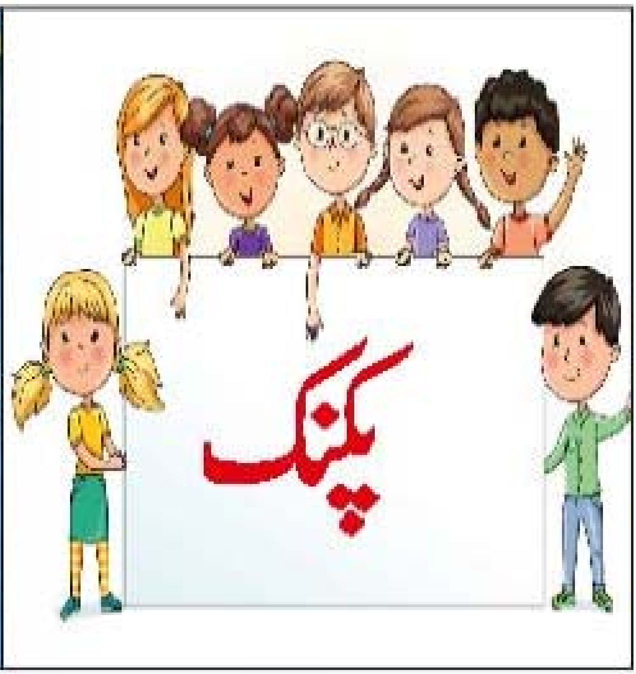

شاہ تاج کی کتاب پکنک نام میں ہی کشش ہے۔ 'پکنک' بچوں کے لیے کنڈر گارٹن اسکول جیسا ہے جہاں کہانیوں کا تانا بانا محبت اور اخلاص سے بنایا گیا ہے۔ ایک طالب علم کے لیے کنڈر گارٹن جیسی نرسری تیار کی گئی جہاں بچے سیکھتے، مسکراتے، کھیلتے کودتے پھولوں کی طرح سوال کرتے کھل جاتے ہیں۔ وہ کردار بھی مل جاتا ہے جو بڑی مہارت سے بچوں کے تجسس کو دور کر کے معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔

بچوں کے ذہن میں موضوع کو تصویروں اور آوازوں کی مدد سے اتارنا نیا تجربہ ہے جو ایلیٹ کلاس تک ہی محدود ہے۔ سرکاری اسکولوں کا حال وہی پرانا ہے۔ خستہ حال دیواریں، منہ چڑاتے بلیک بورڈ وہی پرانا خشک سلیبس، غیر معیاری تدریسی کتاب اور گھٹن کی غلامی کرتے ہوئے اساتذہ۔

محترمہ شاہ تاج کی کہانی ابر رحمت پڑھنے کے بعد احساس ہوا کہ مصنفہ نے حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا ہے بلکہ کہانی اور تدریس کے خشک موضوع کو بھی تازہ خوشبو بکھیرتے گلاب کی طرح سجا دیا ہے۔

کہانیوں سے لطف اندوز ہونا ہماری گھٹی میں ہے۔ راوی کلاس روم میں بیٹھا بادلوں کی کہانیاں سناتا ہے۔ کہانی نے تجسس کا ایک سماں باندھ دیا ہے۔

بادلوں میں کیا ہے؟ سوال داغتے ہی بچوں کی توجہ مقناطیس کی شمالی سوئی کی نوک کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

ادب برائے تعلیم کو مقصد مان کر کہانی کے پیرائے میں تدریسی مواد کو بڑے اچھے طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ شاہ تاج کی سائنسی کہانیاں ایک مشن کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ مصنفہ کا مقصد معصوم ذہنوں کی سائنسی خطوط پر تربیت و پرداخت ہے اور وہ اس میں کامیاب ہیں۔

شب و روز کی زندگی میں آنے والے وہ تمام مشاہدے جنہیں دیکھ کر نئی نسل یونہی گزر جاتی ہے۔ تحصیل علم کے دوران بھی یہ ہمارے نصاب کا حصہ بنتا تو ہے لیکن شعور کا حصہ بننے کے بجائے رٹے رٹائے اسباق کی صورت میں رہتے ہیں یا پھر اس کی علمی حیثیت کسی ایک سال کے تدریسی نصاب سے

زیادہ نہیں رہتی۔ مخصوص جماعت کا بچہ نصابی جوئے کا بوجھ کاندھے پر ڈالے کولہو کے بیل کی طرح نصاب کے گرد چکر کاٹتا رہتا ہے۔ ذوق و شوق سے کٹ کر زبردستی تھوپی گئی سرگرمیوں کو شعار بنائے ایک ہی دائرے میں گردش کرتا رہتا ہے۔ دلچسپ کہانیوں کا یہ وہ تجسس ہے جو انہیں جانی پہچانی چیزوں سے انجانی چیزوں کی طرف لے جاتا ہے اور وہ ذوق و شوق سے ان چیزوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں اس دنیا کو عقل کی آنکھ سے دیکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

کہانی پڑھنے کے دوران زبان پر آسانی سے چڑھ جانے والے الفاظ کا برمحل استعمال ملتا ہے۔ انگریزی کی مشہور اصطلاح کو اردو کا قالب عطا کرنے میں اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ بچوں کا ذہن قبول نہ کرے اس لیے اسے جوں کا توں رکھا گیا ہے۔ مشکل الفاظ کو واقعات میں اس طرح سمویا گیا ہے کہ بچوں پر اس کے معنی بھی واضح ہوجاتے ہیں۔ اس طرح معلومات کے ساتھ نئے الفاظ و معانی کے ذخیرے میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

شاہ تاج خاں نے بڑی خوبی اور مہارت سے بچوں کو سائنس اور سائنسی موضوع سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ تاج کی معلومات سے پر سائنسی اور علمی کہانیاں بچوں کو اپنے ساتھ چپکائے رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کے کردار بھی دلچسپ ہیں جو ننھے قاری کے لیے ایک تفریح بھرے پکنک کی طرح ہیں، جہاں مختلف قسم کے مزے دار ڈشز مہیا ہیں۔

دلچسپ معلومات سے محظوظ ہوتے ہوئے بچوں کے ذوق کی تسکین ہوجاتی ہے اور ان کی دلچسپی میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

محترمہ شاہ تاج خان نے ادب اطفال کو سائنسی علوم سے مالامال کرنے اور نئی نسل کو وقت کے ساتھ نئے علوم سے بہرہ ور کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جو قابل تعریف ہے۔

زیرِ نظر کتاب 'پکنک' میں کہانیوں کے لکھنے کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے، وہ پرکشش ہونے کے ساتھ معلوماتی ہے۔ تفریح کے ماحول میں بہت سی معلومات بچوں کو پہنچا دینا صاحب کتاب کی بہت بڑی کامیابی ہے اور یہ ایک نیچرل اور موثر طریقہ ہے۔ اس لیے کہ بچوں کی نفسیات کھیل کود سے جڑی ہوتی ہے۔ کھیل کود اور تفریحی ماحول میں بچے بہت سی چیزیں آسانی اور دلچسپی کے ساتھ سیکھ لیتے ہیں جب کہ صرف سنجیدہ اور دباؤ کے ماحول میں ان کے لیے سیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ مصنفہ نے ان تمام چیزوں کو ملحوظ نظر رکھا ہے تاکہ بچے ضروری اور سائنسی معلومات حاصل کر سکیں۔

مصنفہ اپنی کہانیوں میں بچوں کے لیے ایک ایسی زندگی کی خواہش مند ہیں جو زندگی گزارنے کے لیے بہتر جگہ ہو۔ ان کی خواہش ہے کہ بچے کے یہاں عمل صرف ایک فکری ڈھانچہ نہ ہو بلکہ اس عمل کے باطن میں اس کی روح بھی ہو اور اس کا احساس بھی ہو۔

کہانی تفریح کے لیے سب سے موثر میڈیم ہے۔ کہانی کار کا کمال یہ ہے کہ وہ تفریح کے ساتھ درس اور نصیحت کی میٹھی گولیاں بھی بچے کے ذہن میں اتار دے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے مضمون پر مشتمل نصاب تیار کرکے ہم بچوں میں سائنسی مزاج پیدا کر سکتے ہیں۔

یوں تو کہانی ہر عمر کے لوگوں پر اپنا اثر چھوڑتی ہے، مگر بچوں کے ذہن پر کہانی کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اس لیے کہانی کی صورت میں بچوں کو نصیحت پیش کرنا ایک موثر طریقہ ہے۔ اس کتاب میں مصنفہ نے ایسی کہانیاں تخلیق کی ہیں جن میں بہت سی نصیحتیں موجود ہیں۔

■

Nisar Anjum
Jula Para, Masjid Lane
Howra - 711101 (West Bengal)

اسرار حسین

ہومی جہانگیر بھابھا

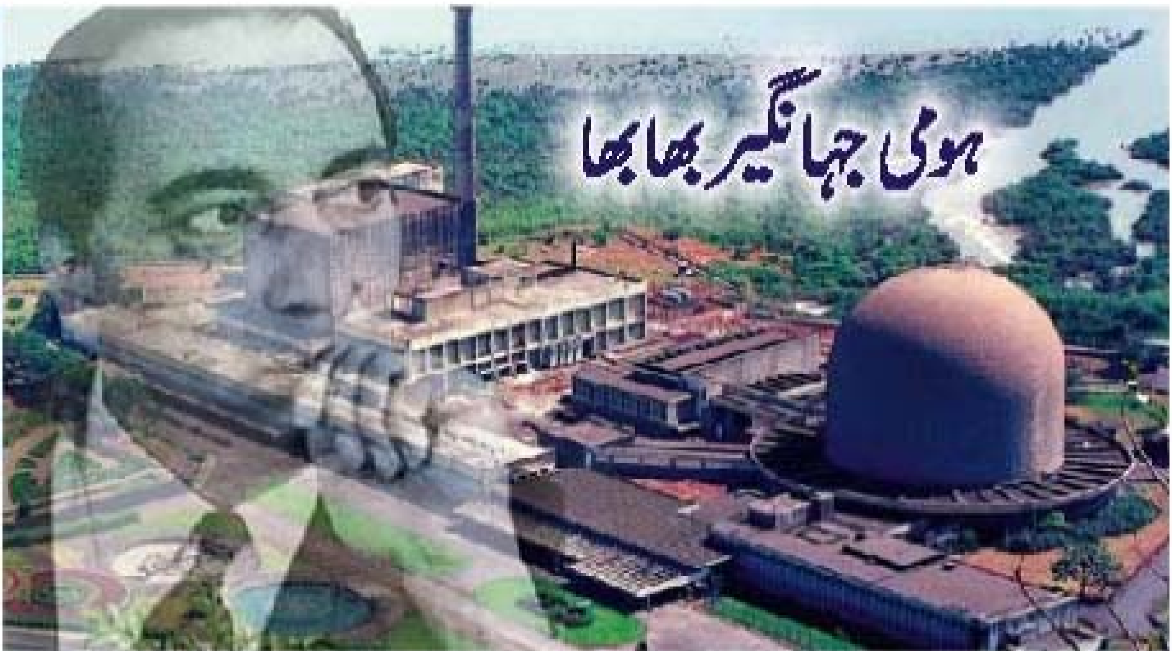

ہومی جہانگیر بھابھا 30 اکتوبر 1909 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرال اسکول میں پائی۔ گھر کے سب ہی لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اس لیے ہومی جہانگیر کی پرورش اچھے ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد جے۔ ایچ۔ بھابھا بمبئی کے مشہور و معروف اور کامیاب بیرسٹر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کے بڑے بڑے صنعتکاروں کے قانونی صلاح کار بھی تھے۔ گھر میں بڑے بڑے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ اس لیے ہومی جہانگیر کی صلاحیتوں میں ماحول کا اثر بھی رونما ہوا۔ بچپن میں جہانگیر بھابھا کو سنگیت سننے کا بڑا شوق تھا۔ آپ کو ہندوستانی اور یوروپین سنگیت پسند تھے۔ سنگیت کے ساتھ ساتھ مصوری کا بھی شوق تھا۔ قدرت کے حسین نظاروں کو کینوس پر اتارنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ آپ کو سائنسی مضامین بہت پسند تھے اور ہمیشہ اچھے نمبروں سے پاس ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے ہومی جہانگیر اپنے اسکول کے ہم جماعت ساتھیوں اور اساتذہ میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ اپنے اسکول کے زمانے سے ہی سوچنے میں مصروف رہتے۔ شاید اسی وجہ سے انھیں نیند کم آتی تھی۔ اپنے سارے وقت کو کسی نہ کسی بامقصد کاموں میں صرف کرتے تھے۔ کیتھڈرال اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے جان کینال ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ اپنی محنت اور ذہانت کی وجہ سے اس اسکول میں بھی نام کمایا۔ آپ کو سائنسی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے گھر پر والد صاحب کی مدد سے ایک لائبریری کا بھی انتظام کیا جس میں مختلف مضامین کی کتابوں کے علاوہ سنگیت سائنس تکنیکی اور مصوری کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ آپ نے چودہ سال کی عمر میں سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کا داخلہ ایلفنسٹن کالج میں کرایا گیا۔ وہاں بھی آپ نے اپنی محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے بمبئی کے رائل انسٹی ٹیوٹ آف سائنس میں داخلہ لیا۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں جہانگیر بھابھا کو اپنی صلاحیتوں کو دکھانے کا بھرپور موقع ملا۔ سائنسی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سائنسی تجربے بھی کیا کرتے تھے تاکہ سائنسی گتھیوں کو سلجھایا جاسکے۔

والد صاحب آپ کی صلاحیتوں سے باخبر تھے۔ اسی لیے آپ نے جہانگیر کو انگلینڈ بھیجا تاکہ وہ انجینئرنگ کر سکے۔ انگلینڈ کی تعلیم کے دوران انھیں کئی انعامات سے بھی نوازا گیا جس میں ایک ایسا انعام بہت اہمیت رکھتا تھا

انگلینڈ کی تعلیم اور جہانگیر بھابھا کی ذہانت اور تعلیم حاصل کرنے کی جستجو میں جہانگیر بھابھا کی دلچسپیوں کو اور بھی بڑھا دیا۔ انھوں نے سائنسی تجربات کرنا شروع کیے۔ ان کی سب سے زیادہ دلچسپی ایٹمی توانائی پر تھی۔ انگلینڈ کی تعلیم کے دوران جہانگیر بھابھا نے کچھ تحقیقی کام بھی کیے۔ انگلینڈ میں رہ کر بھابھا کو وطن کی یاد ستاتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے سنہ 1939 میں وطن واپس آنے کا ارادہ کیا اور انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس سے منسلک ہوئے۔ بمبئی میں ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ قائم کیا۔ جو آج ہندوستان کا معیاری سائنسی تحقیق کا ادارہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی ادارے میں علم طبعیات اور علم ریاضی پر معیاری تحقیق کی جاتی ہے۔ آزادی کے بعد ملک نے یہ محسوس کیا کہ ملک کی ترقی کے لیے ایٹمی توانائی سے ملک کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ ہومی جہانگیر بھابھا اس مسئلے کو بہت گہرائی سے لیتے تھے۔ اس وجہ کو سامنے رکھتے ہوئے بھابھا نے بجلی بنانے کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں ایٹمی توانائی کے کئی مراکز قائم کیے تھے۔

ہندوستان کا یہ مایۂ ناز ستارہ جب اپنی بلندی پر تھا تو اچانک 24 جنوری 1966 کو جہاز کے سفر کے دوران ایک حادثے میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ ملک نے 3 چین اور ایک ہونہار سائنسداں کھو دیا۔ جہانگیر بھابھا کی خدمات کو ہندوستان میں سائنس کے فروغ اور خصوصاً ایٹمی توانائی کے مراکز قائم کرنے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ■

ماخذ: عظیم سائنسداں، مصنف: ڈاکٹر احمد حسین، سنہ اشاعت: مئی، جون 1998، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سید بدرالحسن

اردو میں مستعمل عربی اسما کی جمع

جمع کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک جمع سالم کہلاتی ہے۔ جمع سالم میں واحد کے پورے حروف ترتیب کے ساتھ موجود ہیں۔ اس جمع کے بنانے کے متعدد قاعدے ہیں۔ اگر اسم واحد جاندار مذکر ہو تو اس کے آخری حرف کو زیر کے ساتھ متحرک کرکے آگے (ین) بڑھا دینے سے جمع بن جاتی ہے۔ مثلاً:

واحد	جنس	جمع	جنس
تارِک	ذ	تارِکِین	ذ
تائِب	ذ	تائِبِین	ذ
حاضِر	ذ	حاضِرِین	ذ
ذاکِر	ذ	ذاکِرِین	ذ
سالِک	ذ	سالِکِین	ذ
سائِل	ذ	سائِلِین	ذ
شارِح	ذ	شارِحِین	ذ
صادِق	ذ	صادِقِین	ذ
صالِح	ذ	صالِحِین	ذ
عارِف	ذ	عارِفِین	ذ
عازِم	ذ	عازِمِین	ذ
عاشِق	ذ	عاشِقِین	ذ
عاقِل	ذ	عاقِلِین	ذ
عامِل	ذ	عامِلِین	ذ

فاتِح	ذ	فاتِحِین	ذ
قابِض	ذ	قابِضِین	ذ
کاذِب	ذ	کاذِبِین	ذ
کامِل	ذ	کامِلِین	ذ
مُترجِم	ذ	مُترجِمِین	ذ
مُجاہِد	ذ	مُجاہِدِین	ذ
مُسلِم	ذ	مُسلِمِین	ذ
مُشرِک	ذ	مُشرِکِین	ذ
مُشاہِد		مُشاہِدِین	ذ
غافِل	ذ	غافِلِین	ذ
مُصلِح	ذ	مُصلِحِین	ذ
مُتکبِّر	ذ	مُتکبِّرِین	ذ
مُعلِّم	ذ	مُعلِّمِین	ذ
مُفسِد	ذ	مُفسِدِین	ذ
مُفسِّر	ذ	مُفسِّرِین	ذ
مُلازِم	ذ	مُلازِمِین	ذ
مُہاجِر	ذ	مُہاجِرِین	ذ
ناظِر	ذ	ناظِرِین	ذ
ناظِم	ذ	ناظِمِین	ذ
نائِب	ذ	نائِبِین	ذ

اگر واحد اسم بے جان یا مؤنث ہو تو اس کا آخری حرف زبر کے ساتھ متحرک ہو جاتا ہے اور اس کے آگے (ات) بڑھانے سے جمع بن جاتی ہے۔

واحد	جنس	جمع	جنس
اِحسان	ذ	اِحسانات	ذ
اِطلاع	ث	اِطلاعات	ث
اِعتقاد	ذ	اِعتقادات	ذ
اِعلان	ذ	اِعلانات	ذ
اِمکان	ذ	اِمکانات	ذ
اِنتقال	ذ	اِنتقالات	ذ
بیان	ذ	بیانات	ذ
تصوّر	ذ	تصوّرات	ذ
تقریر	ث	تقریرات	ث
تعلیم	ث	تعلیمات	ث
تغیّر	ذ	تغیّرات	ذ
تقریب	ث	تقریبات	ث
طِلسم	ذ	طِلسمات	ذ
فساد	ذ	فسادات	ذ
قیاس	ذ	قیاسات	ذ
کمال	ذ	کمالات	ذ
مقام	ذ	مقامات	ذ
مکان	ذ	مکانات	ذ

ماخذ: صحت الفاظ، مصنف: سید بدرالحسن، سال اشاعت: 2019، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

معلومات عامہ

س: تاج محل کی ڈیزائن کرنے والا معمار کون تھا؟
ج: استاد عیسیٰ
س: فتح پور سیکری میں اکبر نے کون سا محل تعمیر کروایا تھا؟
ج: پنچ محل
س: سوامی دیانند سرسوتی نے کس سماج کی تشکیل کی تھی؟
ج: آریہ سماج
س: ہندوستان کی پہلی حکمراں کون تھی؟
ج: رضیہ بیگم
س: سندھو گھاٹی تہذیب کے لوگ کس کی پوجا کرتے تھے؟
ج: پشوپتی کی
س: پانی پت کی تیسری لڑائی کب ہوئی تھی؟
ج: 1761 عیسوی
س: پلاسی جنگ کب لڑی گئی تھی؟
ج: 23 جون 1757
س: بکسر کی لڑائی کب ہوئی تھی؟
ج: 1763 عیسوی
س: دلی کا لال قلعہ کس نے بنوایا تھا؟
ج: شاہجہاں
س: ہندوستان کی پہلی مکمل رنگین فلم کون سی تھی؟
ج: جھانسی کی رانی
س: جلیاں والا باغ قتل عام کے لیے کون سا جنرل ذمے دار تھا؟
ج: جنرل ڈائر
س: ستی پرتھا پر پابندی کس نے لگائی تھی؟
ج: لارڈ ولیم بینٹنگ

س: گائیگی منتری کی تخلیق کس نے کی تھی؟
ج: وشوامتر
س: سکندر نے بھارت پر کب حملہ کیا؟
ج: 326 قبل مسیح
س: سب سے قدیم یونیورسٹی کون سی تھی؟
ج: نالندہ
س: صفر کی کھوج کس نے کی؟
ج: آریہ بھٹ
س: کس غیر ملکی سیاح نے بھارت کا دورہ سب سے پہلے کیا؟
ج: میگستھنیز
س: گپت حکمرانوں کی سرکاری زبان کیا تھی؟
ج: سنسکرت
س: موریہ سلطنت کس نے قائم کیا؟
ج: چندر گپت موریہ
س: ون ڈے انٹرنیشنل کرکٹ میں سب سے زیادہ ڈبل سنچری کس کھلاڑی کے نام ہے؟
ج: روہت شرما
س: خلا میں پہنچنے والا دنیا کا سب سے پہلا شخص کون ہے؟
ج: یوری گاگرین
س: چاند پر سب سے پہلا شخص پہنچنے والا کس ملک کا ہے؟
ج: امریکہ
س: چندرما میں اترنے والا دنیا کا پہلا شخص کون ہے؟
ج: نیل آرم اسٹرانگ

وقیع الدین ناصر

دوران بخار غذا

(Diet in fevers)

صحت ہی زندگی ہے یہ جملہ اتنا عام ہے کہ ہر ایک سمجھتا ہے اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک
تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے بچوں کی دنیا میں یہ کالم اسی لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

اچھی اور مناسب غذا سے بیماریاں کم ہوتی ہیں۔ اچھی غذا تندرستی کی ضمانت ہے۔ اکثر بیماریاں خراب غذا کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اگر صحیح غذا استعمال کی جائے تو بیماریوں سے رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ جسم میں بیماریاں کسی عضو کی خرابی یا کام نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ کسی عضو کے کام نہ کرنے کی وجہ اس کی خرابی یا ناگہانی حادثہ یا غذا کی کوئی بے اصولی ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر مختلف بیماریوں میں مختلف غذا تجویز کرتے ہیں۔ ان غذاؤں کو پرہیزی غذائیں کہتے ہیں۔ بعض غذائیں ایسی ہوتی ہیں جو مرض میں شدت پیدا کرتی ہیں اور وہ صحت کے لیے مضر ہوتی ہیں ان غذاؤں سے احتیاط ضروری ہے۔ بعض غذائیں ایسی ہوتی ہیں جو مرض میں افاقہ کرتی ہیں، ان کے استعمال سے بیماریاں کم ہوتی ہیں، صحت و تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے، جسمانی افعال ٹھیک ہوتے ہیں اور انسان چاق و چوبند رہتا ہے۔ غذا اور ان کا استعمال ڈاکٹر صحت، عمر، تندرستی، جنس اور پیشہ دیکھ کر کرتے ہیں۔

(شکل 16.1)

ڈاکٹر کی تجویز کردہ غذائیں کھانے سے مریض کو سہولت ہوتی ہے۔ یہ جلد ہضم اور مقوی ہوتی ہیں اور ان غذاؤں میں ایسے عناصر ہوتے ہیں جو مرض کو کم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرض میں جو غذا سود مند ہوتی ہے وہ دوسرے مرض میں سود مند نہیں ہو سکتی، اس لیے کون سے مرض کے لیے کون سی غذا فائدہ مند رہے گی اس کا علم مریض کو یا مریض کے رشتے داروں کو ہونا ضروری ہے اور مریض کو اس مناسبت سے غذا دینا چاہیے۔ (شکل 16.1)

انفلوئنزا غذا کی منصوبہ بندی (Planning of food in Infinenza)

ہمارے جسم کا درجۂ حرارت عام طور سے 98.6 ڈگری فارن ہائٹ کے قریب رہتا ہے لیکن صبح و شام نیز کام اور آرام کے مختلف اوقات میں ایک ڈگری کے قریب کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔

ہمارا المیہ ہے کہ ہم بخار کو بیماری سے کہیں زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اس لیے اگر کسی کو بخار آ جائے تو فوراً اسے کم کرنے کی تدابیر کرتے ہیں۔ مختلف امراض سے بچنے کے لیے ڈاکٹر ٹیکے لگوانے کی تلقین تو کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی بخار اتارنے کی ادویات کی فہرست بھی والدین کو دے دیتے ہیں۔

انفلوائنزا: یہ مرض عام طور پر بارش کے دنوں میں جولائی یا اگست کے مہینے میں ہوتا ہے کیونکہ بارش کی وجہ سے گندگی بڑھ جاتی ہے، گندے پانی میں مچھر پیدا ہوتے ہیں اور جب یہ مچھر کمزور طبیعت والے اشخاص کو کاٹتے ہیں تو یہ ہر طرح انفلوئنزا کا سبب ہوتا ہے۔

انفلوئنزا کو ہڈی توڑ بخار بھی کہتے ہیں کیونکہ بخار کے دوران اکثر جوڑوں میں شدید درد ہوتا ہے۔ انفلوئنزا کو کچھ لوگ فلو بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک وبائی نزلہ ہے جو عام طور پر کمزور جسم اور کمزور طبیعت والے شخص کو ہوتا ہے۔ اس کی تمام علامتیں زکام سے ملتی ہیں، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں عام جسمانی کمزوری زیادہ ہوتی ہے۔ اس میں چھینکیں آتی ہیں، کھانسی ہوتی ہے اور تیز بخار آتا ہے جس کی وجہ سے مریض بہت زیادہ تھکاوٹ محسوس کرتا ہے۔ اس مرض میں ہلکی غذا دینی چاہیے۔ ایسی غذا ہو جس سے سردی زکام کم ہو جائے۔ ثابت اناج، روٹی، مکئی، سبزیاں، دودھ، انڈا وغیرہ کا استعمال کرنا چاہیے۔ بکرے کا شوربہ اس مرض میں مفید ہوتا ہے۔ مصالحے دار اشیا اور تیزاب بنانے والی غذائیں پروٹین اور چکنائی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (شکل 16.2)

(شکل 16.2)

ٹائیفائیڈ میں غذا کی منصوبہ بندی (Planning of food in Typhide)

دورِ حاضر میں ایک طرف تو بیماریوں کے اصل وجوہ اور ان کے علاج میں ناکامی کے اسباب پر تحقیق کا سلسلہ جاری ہے اور دوسری طرف عوام میں اپنا علاج خود کروانے کا مرض بڑھتا جا رہا ہے۔ بیماریوں کا عام سبب تقریباً 40% تک وائرس اور بعض انفیکشن ہوتا ہے مگر انفیکشن کے متعلق اتنی غلط فہمیاں ہیں کہ لوگ معمولی سردی زکام کو بھی انفلوئنزا سمجھ لیتے ہیں اور اکثر مریض ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر ہی اینٹی بائیوٹک خود استعمال کر لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں اس کا رواج بہت عام ہے۔

پورے امریکہ میں جتنی اینٹی بائیوٹک دوائیں ایک سال میں استعمال ہوتی ہیں اتنی تو ممبئی کے لوگ ایک دن میں استعمال

(شکل 16.2)

کرجاتے ہیں۔ ٹائیفائیڈ میں غذا کی منصوبہ بندی بہتر طریقے سے کی جائے، مریض کو ہلکی پھلکی غذائیں دی جائیں، عام طور پر اناج سے پرہیز کیا جائے۔ مریض کو جوس کی مقدار زیادہ دیں۔ خربوزے، سیب، سنترے، انناس کا جوس مفید ہوتا ہے۔ ساگودانہ، لوبیہ اور اسی طرح کی دوسری غذا مریض کے لیے سودمند ہوگی۔ دودھ، کافی اور چائے مریض کو دے سکتے ہیں۔ بکرے کا شوربہ بھی مفید رہے گا۔ چکنائی دار غذائیں اور ثقیل غذاؤں سے پرہیز ضروری ہے۔ (شکل 16.3)

ٹی بی میں غذا کی منصوبہ بندی

(Planning of diet in T.B)

یہ ایک متعدی مرض ہے۔ یہ مرض 90% پھیپھڑوں کو متاثر کرتا ہے اور باقی 10% مریضوں میں دیگر اعضا جس میں لمفاوی غدود، ہڈیاں، جلد، دماغ، جگر، آنتیں اور بدن کے دیگر تمام ہی اعضا کو شامل کیا جاتا ہے۔

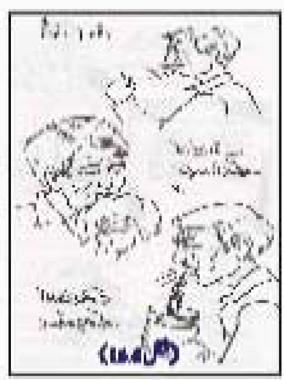

(شکل 16.4)

ٹی بی کا مرض قابل علاج ہے۔ یہ مرض ہوا کے ذریعے، تھوک کے ذریعے، پھیلتا ہے۔ مریض کی کھانسی کے ذریعے یہ صحت مند انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ (شکل 16.4)

ٹی بی عام طور پر بھیڑ بھاڑ کے مقامات، گنجان اسکولس، ہوسٹل، جیل، تھیٹر حتیٰ کہ غیر معیاری اسپتال جس میں ہوا کے گزر کا معقول انتظام نہ ہو اور دواؤں کی دھونی یا چھڑکاؤ نہ کیا جاتا ہو ایسے مقامات ٹی بی کے پھیلاؤ میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے مریض کو ہلکا بخار رہتا ہے، بھوک کم لگتی ہے، وزن کم ہونے لگتا ہے، مریض ہر وقت کھانستا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ٹی بی کے مریضوں کو ان کے تعلق سے پوری معلومات نہیں ہوتی اور اگر ایسا ہوا بھی تو ان کی معاشی حالت علاج میں کوتاہی کا سبب بن جاتی ہے۔ مریض اکثر ایک بار کے بعد علامات غائب ہونے پر دوبارہ کبھی ٹیسٹ نہیں کرواتے یا ضروری نہیں سمجھتے۔ (شکل 16.5)

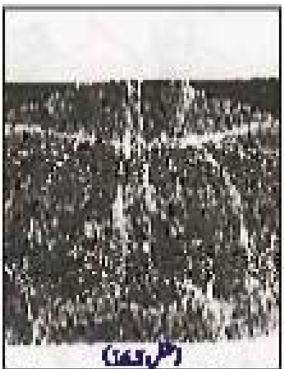

(شکل 16.5)

جب تک کسی غذا سے مریض کو تکلیف نہ ہو وہ غذائیں دیتے رہیں۔ اسے تمام ہی قسم کی غذائیں دینی چاہیے اور خوب کھانا کھلانا چاہیے، خصوصاً جن غذاؤں میں پروٹین کیلشیم کی مقدار زیادہ ہو۔ یہ غذائیں ٹی بی کے مریض کے لیے سودمند ہوتی ہیں، جیسے دودھ، گوشت، مچھلی وغیرہ انڈے کا استعمال بلا ناغہ بہت ضروری ہے۔ سبزیوں میں مٹر، بھاجیاں، ریشہ دار پھل وغیرہ دے سکتے ہیں۔ پھلوں میں تمام پھل دے سکتے ہیں، صرف ترش پھلوں سے احتیاط برتیں تو مناسب رہے گا۔ تمام مٹھائیاں دے سکتے ہیں۔ یہ سب غذائیں ٹی بی کے مریض کے لیے بے حد مفید ہیں اور کوشش یہ رہے کہ غذائیں زود ہضم قسم کی ہوں اور آسانی سے خون میں شامل ہو کر جزو بدن بن سکیں۔

■

ماخذ: متوازن غذا اور صحت، مصنف: ربیع الدین ناصر پھلی
اشاعت: 2018، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

چمن چمن کے پھول ؏ میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

غالب

علاج درد دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا
تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

مضطر خیرآبادی

آپ آئے تو خیال دل ناشاد آیا
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

ریاض خیرآبادی

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

جگر مرادآبادی

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجیے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے

خمار بارہ بنکوی

کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا
کہیں زمیں تو کہیں آسماں نہیں ملتا

ندا فاضلی

خواب کا رشتہ حقیقت سے نہ جوڑا جائے
آئینہ ہے اسے پتھر سے نہ توڑا جائے

ملک زادہ منظور احمد

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

بشیر بدر

نیند کسے کہتے ہیں پوچھو ان بے گھر بیچاروں سے
کام جو بستر کا لیتے ہیں بوسیدہ اخباروں سے

نصر وصال

فضا میں زہر نہ پھیلاؤ سب کو جینا ہے
فضا میں زہر جو پھیلا تو موت پھیلے گی

یوسف ناظم

غم بانٹنے کی چیز نہیں پھر بھی دوستو
اک دوسرے کے حال سے واقف رہا کرو

لطف بجاپوری

■

ماخذ: شعرستان، مرتبہ ڈاکٹر عاشق حسین، سنہ اشاعت 2019، ناشر: الفلاح پبلی کیشنز، پھاٹا ابرل کالونی۔ 441001، ضلع ناگپور، مہاراشٹر

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ بچوں کی دنیا ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی مناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے ایسے علاقوں کے ادیبوں کی تخلیقات ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- مستقبل کے قلمکار عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گزارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریر بھیجتے وقت مندرجہ ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیے۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری اہل ماہرین کے ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا بھی خیال رکھیں۔

ماہنامہ بچوں کی دنیا کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

— ادارہ

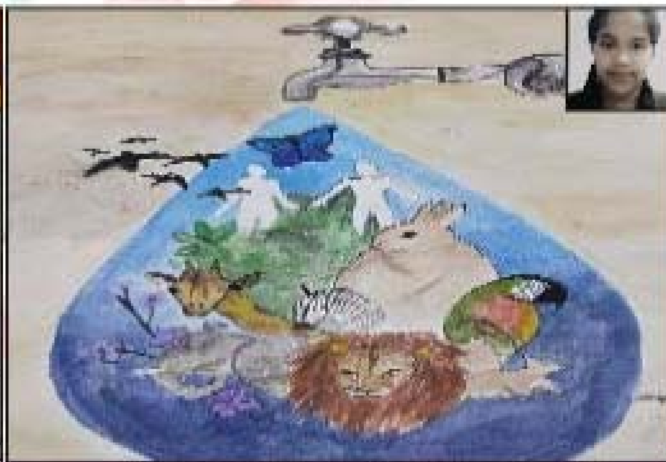

ماہم صدیقی، درجہ نہم، کوین میری، تیس ہزاری، دہلی

عائشہ حسین، درجہ XII، لیڈی ارون سینئر سیکنڈری اسکول، دہلی

ثنا شمیم، درجہ ہشتم، دارالعلوم ہائی اسکول تھوڑتھا، ملاپورم، کیرالہ

محمد معاذ، درجہ چہارم، ایم ایس کریٹیو اسکول، پہاڑی دہلی

دانیہ صدیقی، درجہ اول، کوین میری، تیس ہزاری، دہلی

شعیب الرحمن نوید احمد انصاری (سوئٹ ہوم نرسری، سیکٹر کے سی)، دھولیہ، مہاراشٹر

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

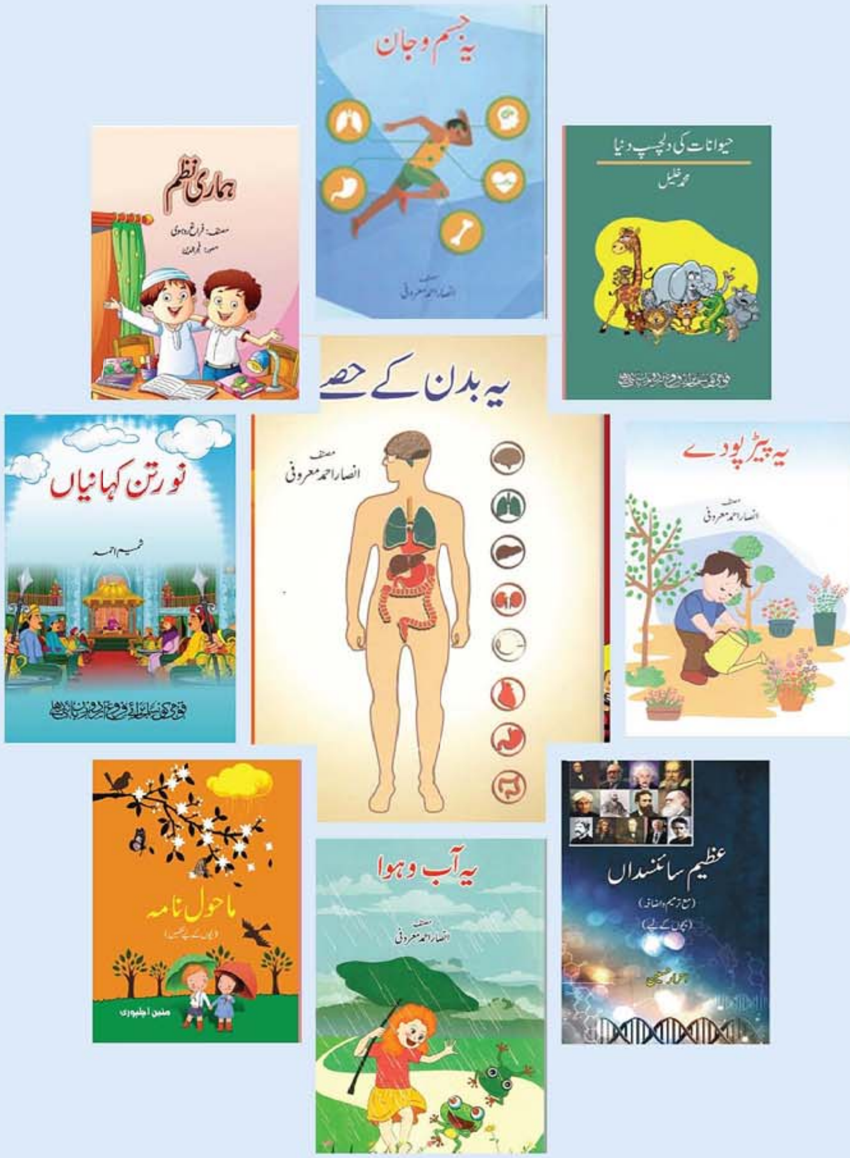

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پارہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2021, वर्ष 9, अंक 7
BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2021 Vol. 09, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

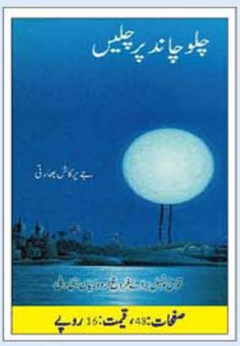

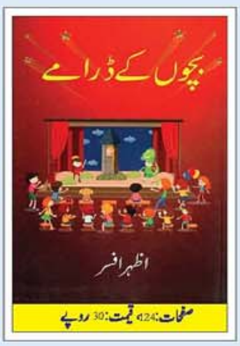

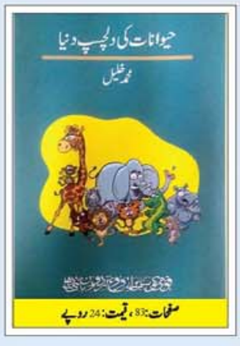

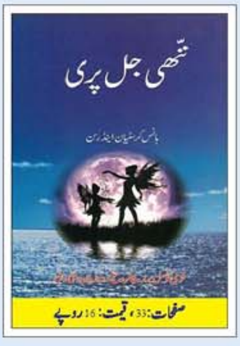

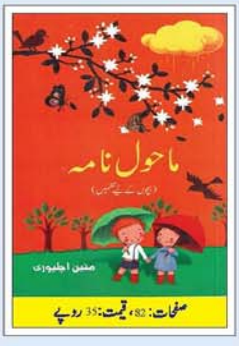

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6